خشک آنکھیں



علی رضا احمد

کتاب ہمراز ہے

ISBN
9789697430451

اُردوسخن

زیرِ مطالعہ کتاب شاعر علی رضا احمدؔ کے ایما پر شائع کی گئی ہے اور اس کے متن کی تمام تر ذمہ داری انہی کو متحمل ہے۔ پبلشر یا پرنٹر قطعاً ذمہ دار نہیں۔ ادارہ اردو سخن ڈاٹ کام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین تک بہترین اور اغلاط سے پاک ادبی مواد پہنچایا جائے اور اس ضمن میں ہر امکانی کوشش کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاہم غلطی کی نشاندہی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستی کی جا سکے۔ (ادارہ)

Khushk Ankhain

خُشک آنکھیں

علی رضا احمدؔ

اردو سخن

آرٹ لینڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون:0302-7844094

خشک آنکھیں

علی رضا احمد

392 / K. Model Town, Lahore (Punjab-Pakistan)
Cell: +9230 0969 3747
EMAIL:
aleerazaahmed@gmail.com
Facebook:
https//:www.facebook.com/alirazaahmadwriter

نمودِ اول: دسمبر 2020ء

ناشر: اردو سخن پاکستان

- کمپوزنگ: ـــــ شہریار ناصر
- سرورق: ـــــ ناصر ملک
- طباعت: ـــــ شیرِ ربانی پریس، ملتان
- قیمت: ـــــ 400روپے (30یورو، 40ڈالر)

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون:0302-7844094
اسٹاکسٹ: فائن پبلی کیشنز، آفس 16، II۔سیکنڈ فلور ڈیوس ہائٹس، ڈیوس روڈ لاہور
urdusukhan@urdusukhan.com
www.urdusukhan.com

انتساب

وطن سے دور اُن پردیسیوں اور تارکین وطن کے نام جن کی انس و محبت اُن کا وطن ہے جو ہر لمحہ اپنے اس محبوب کی زیارت کے لیے یوں تڑپ اور مچل رہے ہوتے ہیں جیسے شکاری کے نرغے میں ہرن اور ان کے دل و زبان سے نکلے ہر لفظ سے کئی کئی غزلوں کا مجموعہ جھلکتا ہے کیونکہ انہیں قدم قدم پر اپنے محبوب سے بے وفائی کی جھلکیاں بھی دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔

فہرست

علی رضا احمدؔ کا فکری افق

غزل اپنے فکری اور موضوعاتی اعتبار سے دامن کشادہ رکھتی ہے داخلیت سے خارجیت تک حیات سے ممات اور روحانیت کے اسرار و رموز سے مادیت کے نہاں خانوں تک اور ان سے وابستہ تمام مسائل کو غزل نے اپنے دامن میں بڑی مہارت سے سمیٹا ہوا ہے اگر یہ کہا جائے کہ آج کی غزل فکری مسائل سے لے کر حیات اور مسائل حیات الغرض ذات و کائنات پر محیط ہو چکی ہے تو غلط نہ ہوگا۔

آج کے پر آشوب دور میں جہاں مادیت اور توانائی اذہانِ عالیہ پر اپنے آہنی پنجے جمائے ہوئے ہے جہاں روایت اخلاقیات اور خدا ترسی اور ان قبیل کے رویوں کا اطلاق معاشرے میں بقدرے ذرہ بے مقدار بھی باقی نہیں رہا ایسے میں غزل کی تہذیبی روایت اور اسکے احترام کا یارا کسے ہوگا یوں ریاکاری، مفاد پرستی سروں کا سودا ہے۔ صد شکر ایزدی کہ ایسی زہرناک اور خلجان پرور فضا میں بعض صاحبانِ فکر ایسے ہیں جو قرطاس ادب پر اپنے جوہر قلم سے بڑی شفگتی اور سلیقے سے سماجی مسائل کے پیچوں پیچ عصری حسیت سے مزین ایسے تحسین آمیز گہرے اور دیرپا نقش چھوڑ

رہے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر زندگی کا گداز و شفاف پن نکھر کر سامنے آنے لگتا ہے ایسے ہی نابغہ اور ہنر مند تخلیق کاروں میں ایک نام علی رضا احمد کا ہے جو اپنی بلیغ عصری حسیت، دور اندیشی، زمانہ شناسی، معقولیت، دل آویزی اور اپنی نستعلیق شخصیت کے بل بوتے پر سماج کو سائیکی، اقدار کو شکستگی اور حسن و عشق کو حرارت اور توانائی مہیا کر رہا ہے۔ فرسودہ مضامین اور استعاروں کو جدید پیرایہء اظہار کا لبادہ پہنانے میں علی رضا احمد پیش پیش ہے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ احمد نہ صرف دوشیزہء غزل کا رمز شناس ہے بلکہ مشاطگیٔ گیسوئے غزل کا اہتمام گر بھی ہے غزل کا نیا معنوی نظام اور اس سے وابستہ جدید عصری تقاضوں سے آشنائی لازمی ہے اس میدان میں احمد ید طولیٰ رکھتا ہے تلازموں کا انوکھا انداز فکر کی تازہ کاری اسکے فن کو افرادیت عطا کرتی ہے اور یہی انفرادیت فن میں حیات بخش ہے بلکہ زندہ رہنے کی دلیل بھی ہے مصرعوں کا دروبست الفاظ کی نشست و برخاست اور داخلی نمنایت، جودتِ فکر اور مقصدیت درخور صد تحسین ہے۔

معاشرے کے بلند و پست میں صرف لمحات انبساط ہی نہیں بلکہ مایوسیوں کی سیہ راتوں کا عفریت بھی ہے ایسے میں جادہ ء زندگی اور اسکے حسن و قبیح سے متعلقات حقائق اور حسن و لطافت کے سوتے نکالنا کارِ ہنراں ہے احمد کا کمال ہنر یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو کشتی مان کر زندگی کی آنکھوں کے ساحل کے مقابل لایا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اسکی آنکھیں آنکھیں نہیں بلکہ آئینے ہیں اور اگر وہ آئینوں کے مقابل آئینے لائے گا تو انجام تخریب کی صورت میں ہوگا وہ خائف نہیں بلکہ پر امید ہے وہ شاعری کے ناتواں جسم میں نئی روح پھونکنا اور صالح مذاق پیدا کرنا چاہتا ہے اسکا لہجہ اسکا اپنا لہجہ ہے یہی وجہ ہے کہ کلام میں جابہ جلوہ ءصد رنگ اپنی پوری غنائیت سے بھرپور ملتا ہے احمد نے غزل کی قدامت فکری سے ہٹ کر اپنے علوئے تخلیل سے اپنی شعری وارداتوں میں دقیع خیالات اور جمالیاتی حس کا مساویانہ رنگ پیدا کیا ہے علی رضا احمد کی شعری کائنات میں عمق بھی ہے اور سطحیت بھی دراصل اظہار کے باب میں احمد نے کلام میں سلاست اور سادہ پن پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور سادگی میں پرکاری کے جوہر دکھائے ہیں اور یوں کلام پر تاثیر بھی ہوگیا ہے اور دو آتشہ

بھی خیال کو خوشنما الفاظ کا جامہ پہنا کر اپنی شگفتہ بیانی سے عطر آگیں کر دیا ہے اور یوں لفظ پر کیف ہو گئے ہیں مضمون آفرینی زبان و بیان کی پاکیزگی عاشقانہ اور سفلی جذبات کے ساتھ ساتھ پاسِ ناموسِ عشق بھی پایا جاتا نیز سنجیدہ اور متین اخلاقیات کے نکات بھی ملتے ہیں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر علی رضا احمدؔ اسی اعتماد و یقین اور تلاش سے محوِ سفر رہا تو جلد اپنی انفرادیت کی منزل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

مظفر احمد مظفرؔ

(یو۔کے)

پیش لفظ

اسکول کے زمانے ہی سے راقم کے لئے اشعار کی تشریح کچھ مشکل نہ تھی کیونکہ خوش قسمتی کی وجہ سے اردو میں عین فیل ہوتے ہوتے بچ جانے کے سبب اعتماد ہمیشہ بحال رہتا الغرض کسی بھی شعر کا مافی الضمیر جو سمجھ نا کسی میں آتا صرف ایک سطر میں بیان کر دیا جاتا۔ جیسے مرزا اسداللہ غالب فرماتے ہیں

خوش ہوتے ہیں پر وِصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہِجراں کی تمنا مرے آگے

اس شعر کی تشریح کرنے میں مجھ سے پہلی غلطی یہ ہوئی کہ میں جلدی میں شب ہِجراں کی۔۔۔ بجائے شب ہِجراں ''کو'' پڑھ گیا دوسری یہ کہ ان دنوں ہماری فلم اور ٹی وی کی ادا کارہ تمنا ایک معروف ادا کارہ کے طور پر ہر جگہ جلوہ گر تھی۔ لہٰذا آپ اندازہ لگا لیں کہ تشریح بھی کیسی تمنائی ہو گی۔ کالج میں پہلے سال پروفیسر صاحب نے اردو کی کتاب کا آغاز میر تقی میر کی غزل کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے سے یوں کیا:

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

بعد ازاں اس مشہور شعر کی تشریح مکمل کرنے میں شاید انہیں بیس پچیس دن لگ گئے مگر بات اگلے شعر پر نہیں جارہی تھی اور کتاب کی ابتدا کا انداز بتارہا تھا کہ یہ رونا دھونا کم ازکم ایک سال مزید چلے گا۔ بہر حال اس بحث و تکرار نے شاعری کے بہت سے پیچ و خم کھول دیے اور یہ اوزانی معرفت بلآخر ان طلبہ کو بھی سمجھ آنے لگی جنہیں صرف پنجابی فلم کے ڈائیلاگ ہی یاد ہوا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں گھر کا ماحول مذہبی تھا دادا جی سلطان احمد حسن جو کہ ایک صوفی منش بزرگ تھے وہ گھر میں ہر سال دو عرس کروایا کرتے تھے۔عرس کا آغاز صبح قراتِ قرآن،قول وغیرہ سے شروع ہوتا ہوا اختتام رات گئے قوالی پر انجام پاتا اور دورانِ سماع زیادہ تر فارسی کلام سنا جاتا تھا۔اس طرح بچپن ہی سے موسیقی اور شاعری سے شغف ہوا۔گھر میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے پانچویں کلاس سے ہی کاتبِ چٹھیاں بن چکا تھا اور وصول ہونے والے رشتہ داروں کے تمام خطوں کے جوابات راقم ہی سے زبردستی لکھوائے جاتے تھے اور والدہ محترمہ ساتھ ساتھ اردو کی املاء کی درستگی کر دیا کرتی تھیں۔ بہر حال پروفیسر ریاض صاحب نے شاعری کی ابتدائی تعلیم کو ابتدائے عشق سے خوب روشناس فرمایا اور میرے ذہن میں حقیقی شاعری کے بیج بونے کی ابتداء بھی کی۔میر کے ایک شعر پر کئی دنوں کی مفصل بحث نے میرے اندر کے شعری وجدان کا خمیر اٹھا دیا اور پھر اسی زمین میں دو تین اشعار کہنے کی کوشش بھی کر دی وہ یوں تھی کہ

اشکوں میں ڈوبے ہو غوطہ ہے کیا
ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
لفظوں سے کیا زخمی کاٹا لہجوں سے
وار بس تلوار سے ہوتا ہے کیا
ظرف بھی احمدؔ ہو ضبط و ذوق بھی
مرد میں اک دل ہی ہوتا ہے کیا

یہ غزل عرصہ دراز کے بعد ایک کتاب سے ملی تو اسے کسی کو سنانے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ پندرہ سال بعد ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کو دکھائی تو انہوں نے اس کی نوک پلک درست کی۔ دریں اثناء یہ دوبارہ کہیں گم ہوگئی اور جب یہ دوبارہ ملی تو میں نے اسے جنّاتی غزل کا خطاب دیا۔ اس کے بعد میں نے شاعری کا باقاعدہ آغاز پندرہ بیس عدد نعتیں لکھ کر کیا۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے مجھے غزل لکھنے کی طرف رغبت دلائی چنانچہ کچھ ہی عرصے بعد میرے پاس بے شمار غزلوں کا ذخیرہ اکٹھا ہوگیا جس میں سے کچھ معروف ادبی پرچوں میں شائع بھی ہوئیں۔ اس کے بعد میں نے طنز و مزاح پر طبع آزمائی شروع کردی اور تاہنوز اس کی چار کتابیں چھپ چکی ہیں مگر میرے باطن کا درویش مجھے شاعری لکھنے کی طرف مائل کرتا رہتا ہے اور میرے اکثر اشعار آپ کو ایک صوفی کی شال اوڑھے ملیں گے۔ میں نے معاشرتی ناہمواریوں کو مزاح کے طنز میں ڈھالنے کی کوشش کی اور نسبی درویشی کو شاعری میں، جس کی جھلک آپ زیرِ نظر کتاب "خشک آنکھیں" کی ورق گردانی کرکے محسوس کریں گے۔ اس کتاب کی اشاعت میں کسی قسم کی منفعت کا حصول نہیں بس اپنی سوچ کے مصرعوں کو شعری تاریخ کے کسی گوشے پر ثبت کرنا ہے۔

علی رضا احمد

حمد باری تعالیٰ

اللہ کے ہاں کوئی امر ایسا نہیں ہوتا
اس کی کوئی اولاد یا بیٹا نہیں ہوتا

اللہ سے پہلے تو فقط کچھ بھی نہیں تھا
پہلے تو صفر کے کوئی ہندسہ نہیں ہوتا

پہچانے گا وہ کیسے خدا کون ہے کیا ہے
جس شخص نے خود آپ کو جانا نہیں ہوتا

افشا جو کیا تو نے محمدؐ کو خدایا
وہ راز کسی اور پہ افشا نہیں ہوتا

کرتا ہے شب و روز ہی وہ ذکرِ خداوند
یونہی کسی درویش کا چرچا نہیں ہوتا

کرتا ہے عطا تو جو کسی شخص کا پایہ
وہ پایہ کسی اور نے پایا نہیں ہوتا

احمدؔ کو مرے مرشد برحق نے بتایا
جس کا ہو خدا مولا وہ رسوا نہیں ہوتا

یارزاقُ یاوہاب

تیرے نامِ پاک سے ابتدا
تیرے نبیؐ پاک سے بس وفا
ہے تری رضا میں مری بقا

میرے ہر گناہ کو کر ثواب
یا رزاقُ یا وھاب

ہو نصیب کا مرے اونچا سر
مری ہر تمنا کی جھولی بھر
مری ہر دعا میں اثر تو کر

کبھی ہو نہ مجھ پہ خدا عذاب
یا رزاقؑ یا وھاب

نہ تو مانگنے کا سلیقہ ہے
نہ دعاؤں ہی کا قرینہ ہے
تجھے واسطہء خدیجہ ہے

نہ ہو کارِ احمدؔ کوئی خراب
یا رزاقؑ یا وھاب

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

گنبدِ خضریٰ معطر سا نظر آتا ہے
مجھ کو محبوبؐ کا یہ گھر سا نظر آتا ہے

جب بھی کی آلِ محمدؐ کے وسیلے سے دعا
اس میں جبریل کا اک پر سا نظر آتا ہے

آپ کے دستِ مبارک سے جو ہو جائے عطا
مجھ کو وہ قطرہ سمندر سا نظر آتا ہے

روضۂ احمدِ مختار کے سونے کا کلس
بختِ بیدار کا اختر سا نظر آتا ہے

دیجیے مجھ کو پناہ سایہ رحمت میں شفیع
حشر سے مجھ کو تو اک ڈر سا نظر آتا ہے

شاہ رگ سے بھی نزدیک وہ دے اُس کا پتا
دل مرا کس کا بتا گھر سا نظر آتا ہے

آپ کے پاؤں کی برکت سے شہِ بلدا میں
آبِ زم زم بھی تو کوثر سا نظر آتا ہے

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مدینہ اس لیے پیشِ خدا شہروں سے برتر ہے
یہاں اُس کے نبی آخری کا آخری گھر ہے

بتایا ہے کتابِ آخری میں خود خدا نے یہ
مرادر دونوں عالم میں میرے محبوبؐ کا در ہے

مرا سر اس لیے اونچا ہوا ہے آسمانوں تک
محمدؐ مصطفیٰؐ کے آستانے پر مرا سر ہے

مجھے ہے فخر میں ہوں امتی ایسے پیمبر کا
جو سب نبیوں سے افضل ہے جو سب نبیوں سے بہتر ہے

وہ جس پہ روضۂ پاک محمدؐ ایستادہ ہے
زمیں وہ سب زمینوں سے مقدس اور اطہر ہے

برابر ہیں سب ہی دین محمدؐ کی نگاہوں میں
نہ اعلیٰ ہے نہ کم تر ہے نہ اصغر ہے نہ اکبر ہے

عقیدت

آپؐ کا ذکر ہر اک ذکر بنانا چاہا ہوں
اس سے ہی محفل سرکار سجانا چاہا ہوں

جانتا ہوں کہ ہیں جس خلد کے سردار حسینؑ
میری خواہش ہے کہ اُسی خلد کو جانا چاہا ہوں

لاؤ معصوم حسینؑ! آپؐ نے زہرہؓ سے کہا
میں بٹھا کر اُسے کاندھوں پہ کھلانا چاہا ہوں

جس پہ ہیں شام و سحر، سجدہ کناں شاہ و گدا
اُسی دروازے پہ میں سیس جھکانا چاہا ہوں

آپ کا در ہے جہاں آپ کا مسکن ہے جہاں
ہو نصیبوں میں تو اس شہر میں آنا چاہوں

ذکر جس نعت میں ہو آلِ عبا کا احمدؔ
نعت دنیا کو میں اِک ایسی سنانا چاہوں

سلام

غمِ شبیرؑ کو شعروں میں سناؤں کیسے
اَشک الفاظ کی آنکھوں سے بہاؤں کیسے

یاد آتی ہے مجھے خشکی زباں کی، لب کی
کربلا نوحہ ترا لب پہ میں لاؤں کیسے

لٹ گیا قافلہ زہرہؑ کا بیابانوں میں
اے زمانے یہ تجھے بات بتاؤں کیسے

وہ جو اجڑا تھا چمن خانہءِ سادات کا کل
باغباں تو ہی بتا اُس کو بساؤں کیسے

تا قیامت مری آنکھوں سے بہے گا احمدؔ
غمِ شبیر کو میں دل میں چھپاؤں کیسے

ترے شہر میں مارا مارا پھرا
بنا اجنبی بے سہارا پھرا

بھنور نے نہ جانے مجھے کیوں لیا
ہوا کیا جو مجھ سے کنارا پھرا

زمانے میں اک بھی نہ تجھ سا ملا
فلک تک گیا تارا تارا پھرا

نہ پیشِ نظر رکھا انجام کو
میں دنیا میں پاؤں پسارا پھرا

درِ یار جب سے ہے تم کو ملا
مقدر اے احمدؔ تمہارا پھرا

دل اس پہ فدا ہے تو کوئی بات تو ہوگی
وہ مجھ سے خفا ہے تو کوئی بات تو ہوگی

جس نے کہ نہ ملنے کی قسم کھائی ہوئی تھی
وہ کھل کے ملا ہے تو کوئی بات تو ہوگی

جو چاک تھا کل تک وہ گریبانِ غریبی
گر آج سِلا ہے تو کوئی بات تو ہوگی

جس رند نے مسجد کا کبھی منہ بھی نہ دیکھا
زاہد وہ بنا ہے تو کوئی بات تو ہوگی

فرض اپنا ادا کرنے وہ وعدہ وفا کرنے
کوفہ کو چلا ہے تو کوئی بات تو ہو گی

کل چودھویں کا چاند تھا اور آج گہن کا
داغ اس کو لگا ہے تو کوئی بات تو ہو گی

محبوبِ ستم گر سے تجھے احمدؔ بے کس
کچھ کچھ جو گلہ ہے تو کوئی بات تو ہو گی

اک رختِ سفر کا میں سامان سا لگتا ہوں
گھر اپنا ہے پھر بھی میں مہمان سا لگتا ہوں

مانا کہ میں ہاری ہوں اس کشتِ محبت کا
اب کاٹ کے فصلِ نم حیران سا لگتا ہوں

تعمیر کیا جب سے اک تاج محل دل میں
اک شاہِ جہاں کا میں ایوان سا لگتا ہوں

مجھ پر بھی حریفوں نے بارود سا برسایا
اب ٹوٹا ہوا گھر ہوں ویران سا لگتا ہوں

گلشن نے کہا گل سے جب بادِ خزاں آئی
کیا بات ہوئی اب یوں ویران سا لگتا ہوں

احمدؔ یہ مری حالت کیوں ایسی ہوئی آخر
جو عاشقِ ویراں کا دامان سا لگتا ہوں

سفر کے شوق میں تھا فاصلہ ہی بھول گیا
عجیب سحر تھا میں راستہ ہی بھول گیا

میں آشنا ہی نہ تھا دشتِ جذب و مستی سے
جو پائے ننگ مرا قافلہ ہی بھول گیا

بنایا سجدوں سے جب ایک گوہرِ نایاب
حریمِ کعبہ سے تب رابطہ ہی بھول گیا

کسی کی دید کا کچھ ایسا لرزہ طاری تھا
کہ احترام کا ہر قاعدہ ہی بھول گیا

کہا تھا ساقی نے احمدؔ کہ آج شام آنا
جو شام آئی تو میں میکدہ ہی بھول گیا

اوروں کو بحرِ شعر کوئی ذات چاہیئے
ہم کو تو اپنے یار کی کچھ بات چاہیئے

کرتے رہو بیان تم افسانے بے شمار
ہم کو تو ذکرِ یار ہی دن رات چاہیئے

واعظ کو ہو گی منبر و محراب کی لگن
رندوں کے واسطے تو خرابات چاہیئے

اس زندگی کے کھیل میں اے میرے دوستو
الفت کی جیت عقل کی بس مات چاہیئے

احمدؔ یہ یاد رکھ کہ کوئے شہرِ یار میں
جنسِ دل و جگر کی خیرات چاہیئے

آؤ یارو ! یار کی باتیں کریں
مل کے ہم دلدار کی باتیں کریں

پیار کی دنیا کی ہم کھائیں ہوا
پیار سے ہم پیار کی باتیں کریں

ہم نے باندھا تھا ازل کے روز جو
دل سے اس اقرار کی باتیں کریں

فرق بتلا کر ہوس اور عشق میں
نور کے اوتار کی باتیں کریں

احمدؔ اپنے منہ کو کر کے پاک صاف
یار کے دیدار کی باتیں کریں

میں نے دیکھا نہ کسی ملک کی سرداری میں
جو مزہ پایا محبت کی عملداری میں

تیری گفتار کی موسیقی ملی نہ مجھ کو
راگ میں دادرا میں ٹھمری میں درباری میں

بوالہوس اس کو سمجھ بیٹھے ہیں کارِ آساں
جان بکتی ہے محبت کی خریداری میں

ہو جو اندھیرا تو سایہ بھی نہیں دیتا ساتھ
کام آتا نہیں اک یار بھی لاچاری میں

علم و حکمت نہیں اس راز سے واقف احمدؔ
ہوتی ہے دل کو شفا عشق کی بیماری میں

کہتے تھے مجھے جو یہ ہم یار منا دیں گے
میں جانتا ہوں ان کو وہ وقت گنوا دیں گے

روکے تو کوئی اِن کو لائے تو کوئی اُن کو
جو کچھ ہے مرے جی میں سب ان کو سنا دیں گے

آئیں جو عیادت کو اچھا ہے مگر سن لو
کر کر کے سبھی شکوے ہم ان کو رلا دیں گے

آجائیں اگر اک دن کیا فائدہ ہے آنے کا
مجھ کو تو رلا دیں گے غیروں کو ہنسا دیں گے

آتے نہیں خود جن کو جینے کے طریقے کچھ
وہ لوگ مجھے احمدؔ کیا دل کی دوا دیں گے

دل کو اپنے فقر سے آگاہ کر
بوریا پر بیٹھ خود کو شاہ کر

زندگی تیری گزر ہی جائے گی
اے مسافر آہ کر یا واہ کر

خاک بن مرشد کے پاؤں کی کبھی
خود کو ایسے وقفِ عز و جاہ کر

چاند تاروں تک بنا لیتا ہے راہ
اپنے دل میں بھی کبھی تو راہ کر

اس میں رتی بھر وفا کی بُو نہیں
دہر کی احمدؔ نہ اتنی چاہ کر

ہر چمکتی چیز کی ہم بندگی کرتے نہیں
مرتے تو جاتے ہیں لیکن خودکشی کرتے نہیں

خشک آنکھیں تر نہیں کرتے فراق و ہجر میں
ہم محبت میں ریاکاری کبھی کرتے نہیں

جس میں پوشیدہ ہوں اندھیاروں کے ساماں اے عزیز
ہم کسی کے گھر میں ایسی روشنی کرتے نہیں

رکھتے ہیں حیلوں بہانوں سے دلِ عاشق کو خوش
گو ''نہیں'' اپنی زباں سے وہ کبھی کرتے نہیں

کیا مزہ لیں گے وہ پھولوں کی گلابی سیج کا
جو بسر کانٹوں پہ اپنی زندگی کرتے نہیں

پردہ کالی رات کا کرنا پڑے جو چاک جب
ہم کسی سے ایسی ویسی دوستی کرتے نہیں

زندگی بے بندگی ہے سر بسر شرمندگی
ان پہ میں حیران ہوں جو عاشقی کرتے نہیں

اصل میں وہ لوگ ہی احمدؔ ہیں مردانِ خدا
جو بھلا کرتے ہیں سب کا اور بدی کرتے نہیں

خدا کا بندہ ہوں نائب خدا ہوں
ذرا خالق سے پوچھو میں کیا ہوں

الگ ہوں میں کہاں کُن ِ فکاں سے
میں بنیادِ مکانِ دوسرا ہوں

ہر اک شے ہے جہاں کی میرے تابع
بہ ظاہر میں بڑا بے دست و پا ہوں

مرے خالق کی ہوں تقویمِ احسن
میں اس کے اپنے ہاتھوں سے بنا ہوں

نہ ملا تم سا اک بھی میرے احمدؔ
کنارِ آسماں تک تو گیا ہوں

آجائے سر پہ گر کبھی آلام کا نظام
آتا نہیں ہے کوئی بھی اس وقت اپنے کام

زیرک بنو نہ دنیا کے پھندے میں آئیو
دانے بچھے ہوئے ہیں یہاں پر تو زیرِ دام

رکھو یہ یاد وہ نہ کبھی پائے گا فلاح
جو شخص بھی جہاں میں ہے حرص کا غلام

شاہوں کے چاکروں سے نہیں کچھ مجھے غرض
جو عشق کے غلام ہیں ان کو میرا سلام

احمدؔ یہ ایک پند دل و جان سے مری سنو
گھر بیچ کر نہ کرنا تم دنیا میں اپنا نام

ہم کو اب یہ کار کرنا چاہیے
بس روح کو بیدار کرنا چاہیے

ہم جئیں گے آدمیت کے لیے
ہم کو یہ اقرار کرنا چاہیے

زندگی ہے بندگی کے واسطے
اس پہ ہی اصرار کرنا چاہیے

حملۂ عصیاں سے بچنے کے لیے
توبہ کو دیوار کرنا چاہیے

دوسروں کے واسطے اہلِ دول
ہم کو تو ایثار کرنا چاہیے

دین کی خاطر دلِ بیتاب کو
غیب سے بےزار کرنا چاہیے

دوسروں کی دید احمدؔ ہے درست
اپنا بھی دیدار کرنا چاہیے

رشکِ بہشت ہے مجھے تو یار کی گلی
ہر اک گلی سے اعلیٰ ہے دلدار کی گلی

اے یار تجھ سے رابطہ اک عمر بھر کا ہے
پختہ بڑی ہے میرے تو اقرار کی گلی

تیرے فراق میں دلِ پُر غم کا ہے یہ حال
جیسے کہ ہوتی ہے کسی نادار کی گلی

اے چارہ گر کبھی تو اس جانب بھی آئیو
سونی پڑی ہے عشق کے بیمار کی گلی

میں تو تمہارے حکم کا احمدؔ ہوں منتظر
چلتا نہیں ہوں میں کبھی انکار کی گلی

حیاتِ آدمی تو عارضی ہے
مگر کم ہی کسی کو آگہی ہے

مروت اور حیاء کو لے اڑی ہے
یہ آندھی کیسی دنیا میں چلی ہے

بزرگوں نے یہ کیسی بات کی ہے
اگر خوفِ خدا ہے، آدمی ہے

غزل کہنے کو تو کہتے ہیں سب ہی
مگر اخلاص کی اس میں کمی ہے

نہ احمدؔ اس طرف متوجہ ہونا
اگرچہ پُرکشش ہر اک بدی ہے

خِرد کی تنگ دامانی ہے میں ہوں
زمانے بھر کی حیرانی ہے میں ہوں

شکم کو میں نے دل پر فوقیت دی
یہ کیسی میری نادانی ہے میں ہوں

ہے رشکِ میر و سلطاں فقر میرا
فقیری میں بھی سلطانی ہے میں ہوں

گناہ چھوڑے نہ توبہ کرنے پر بھی
عجب میری پشیمانی ہے میں ہوں

عدو حرکت میں ہے لیکن اے احمدؔ
خدا کی اک نگہبانی ہے میں ہوں

محبت کو کیا تو اپنا لیا
ترا رنگ کیوں زرد سا ہو گیا

ملی بے نیازی کی دولت مجھے
مئے عشق و مستی کو جب سے پیا

جنوں کو گریبانِ چاکی کا شوق
ہوس نے تو دیکھو گریباں سیا

اسے ظلمتِ زندگی ہے ملی
بجھا جس کے سینے میں دل کا دیا

ہے خالق کی نظروں میں احمد عزیز
محبت کی دنیا میں جو ہے جیا

عاشقوں کا عجب گھرانا ہے
دے کے دل جشن کا منانا ہے

دولتِ عشق ڈھونڈیے اے شیخ
عقل کا مال آنا جانا ہے

وہ ہی پہنچے گا برسرِ منزل
عشق کو پیر جس نے مانا ہے

اس سے دل کیوں لگاتا ہے غافل
حرص کی دنیا تانا بانا ہے

عشق کیا ہے بس اتنا کہتا ہوں
زندگی بھر غموں کا کھانا ہے

اس میں کر پیدا جذبۂ الفت
سیر دل کو اگر کرانا ہے

آ قلندر کی بزم میں احمدؔ
شیخ کا کام تو ڈرانا ہے

میری صورت ہے کیا تو نے بنا دی
یہ کیسی تو نے ہے مجھ کو سزا دی

سوائے یار کچھ بھی نہ رہا یاد
مجھے ساقی نے کیسی مئے پلا دی

کوئی اس سا نہیں دنیا میں مفلس
وہ جس نے دولتِ دل ہے گنوا دی

خدایا عشق سے بیدار کر دے
ہوس نے تو میری قسمت سلاُ دی

ترا صد شکریہ اے عشقِ صادق
مجھے سیر دو عالم ہے کرا دی

یہ کیا شے ہے جسے کہتے ہیں الفت
کہ جس نے ایک دنیا ہے ہلا دی

غفلت میں غرق ہے ہر شخص احمدؔ
یہ کیسی اس زمانے نے ہوا دی

گنہگارِ محبت کی سزا کچھ اور ہوتی ہے
محبت کرنے والوں کی ادا کچھ اور ہوتی ہے

نہ عہدہ ہے نہ سکہ ہے نہ تخت و تاج ہے قیمت
محبت کے نگینے کی بہا کچھ اور ہوتی ہے

محبت میں بلائیں رحمتِ حق کی عطائیں ہیں
جو دنیا کی بلا ہے وہ بلا کچھ اور ہوتی ہے

ہوس کی جو بھی ہے تعمیر بنیادِ غرض پر ہے
محبت کی عمارت کی بنا کچھ اور ہوتی ہے

دوا اس کی طبیبوں کے مطب میں ہے کہاں ملتی
مریضانِ محبت کی دوا کچھ اور ہوتی ہے

غرض کی دوستی ہے گھُر میں بھی جلا بے شک
مگر اخلاص کے در کی جلا کچھ اور ہوتی ہے

جفائیں اور بھی لاکھوں ہزاروں ہیں یہاں احمدؔ
مگر محبوب کی طرزِ جفا کچھ اور ہوتی ہے

درِ میخانہ پہ میں بھی کبھی آیا ہوتا
مجھ کو بھی ساقی نے اک جام پلایا ہوتا

میں بھی دربارِ قلندر میں جگہ پا لیتا
کاش میں نے بھی کبھی سر کو منڈایا ہوتا

میں بھی ہو جاتا کسی باوا کے در کے قابل
رازِ عرفان کبھی میں نے بھی پایا ہوتا

ملتی مجھ کو کبھی راحتِ جاں کی دولت
زلفِ محبوب کا گر مجھ پہ بھی سایہ ہوتا

حلقۂ فقرا اگر مجھ کو بھی ہو جاتا نصیب
میرا محبوب ہر اک اپنا پرایا ہوتا

زندگانی کا مزہ تجھ کو بھی آتا احمدؔ
عشق کا زخم کبھی تو نے جو کھایا ہوتا

دوستو آؤ پھر اپنے یار کی باتیں کریں
جس نے دل لوٹا ہے اس دلدار کی باتیں کریں

جس پہ چڑھ کر بھی اناالحق کہہ دیا منصورؒ نے
اس نرالی چوب والی دار کی باتیں کریں

بازیٔ عشق و محبت کی کریں پھر گفتگو
پھر کسی کی جیت اپنی ہار کی باتیں کریں

نقشِ پائے یار پر سجدوں سے جو ہلکا ہوا
سر سے اترے اس بڑے اک بار کی باتیں کریں

جل رہی ہے جو کہ ہر ایک آدمی کے نفس میں
عہدِ نو میں اس ہوس کی نار کی باتیں کریں

جو ڈبو کر آدمی کو لاتا ہے ساحل کنار
عشق کے دریا کے اس منجدھار کی باتیں کریں

جس نے پہلی کاٹ میں احمدؔ کو چلتا کر دیا
آؤ مل کر زلف کے اس مار کی باتیں کریں

تُو اپنی میری الفت کی کہانی
کبھی تو یار سن میری زبانی

ترے قدموں کی آہٹ ایسے آئی
کہ جیسے ہو کُھلا گنجِ معانی

ہوا بے شرم ایسا یہ زمانہ
حیاء بھی ہو گئی ہے پانی پانی

ہمیشہ دم بخود بے دم سا رہنا
یہی ہے عاشقوں کی اک نشانی

کبھی تو میری جانب بھی نظر کر
اے چشمِ یار تیری مہربانی

نہ غفلت سے بسر کر اس کے لمحے
بڑی ہی مختصر ہے زندگانی

حفاظت گنجِ دنیا کی عبث ہے
کر اپنے مالِ دل کی پاسبانی

اگر ممکن ہو دیں کا زر جمع کر
ہے دولت اس جہاں کی آنی جانی

اے احمدؔ ہر کسی سے پیار کر لے
بڑا میٹھا ہے صلحِ کل کا پانی

گنہگارانِ الفت کی انا کچھ اور ہوتی ہے
محبت میں خطاؤں کی ادا کچھ اور ہوتی ہے

وَلاَ خَوفً کی آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے
جہانِ عشق و مستی کی بلا کچھ اور ہوتی ہے

یہ مانا قصرِ عقل و علم بھی بنیاد رکھتا ہے
مکانِ عشق کی لیکن بنا کچھ اور ہوتی ہے

دعائیں کرتے ہیں لاکھوں حریمِ کعبہ میں جا کر
مگر عشاق کے دل کی دعا کچھ اور ہوتی ہے

چمکتے ہیں بڑے چہرے دمکتے ہیں بڑے مکھڑے
مگر رخسارِ الفت کی جِلا کچھ اور ہوتی ہے

یہ نکتہ مرشدِ برحق کو ہے معلوم اے احمدؔ
محبت کے مریضوں کی دوا کچھ اور ہوتی ہے

بڑی خوب صورت محبت کی دنیا
ہے رنگیں مورت محبت کی دنیا

نہیں ایک بھی بات بیگانگی کی
سراپا مروت محبت کی دنیا

عداوت کا تو نام تک بھی نہیں ہے
ہے الفت ہی الفت محبت کی دنیا

یہاں دردِ دل کے سوا کچھ نہیں ہے
ہے خدمت ہی خدمت محبت کی دنیا

یہاں پیار کے نور کی روشنی ہے
نہیں رکھتی ظلمت محبت کی دنیا

اب بارش یہاں ہونی لطف و کرم کی
ہے برکت ہی برکت محبت کی دنیا

خداوندا احمدؔ کی خواہش یہی ہے
رہے تا قیامت محبت کی دنیا

جہانِ محبت کا ہر فرد غازی
نہ قبلہ نہ کعبہ ہے پھر بھی غازی

کوئی مرد ہی اس پہ اترے گا پورا
نہیں بازیٔ طفلگاں عشق بازی

کہیں اور سر رکھنا ذلت ہی ذلت
ہے جھکنا سرِ یار سرفرازی

محبت کی دنیا کی رسمیں جدا ہیں
نہ عربی نہ عجمی نہ ترکی نہ تازی

ضرورت نہیں یاں غسل کی وضو کی
محبت کی فطرت میں ہے پاکبازی

رموزِ محبت کا واقف ہے رومیؒ
نہیں باخبر ان سے سینا و رازی

زبانِ محبت نرالی ہے احمدؔ
نہ ہندی نہ ترکی نہ نجدی حجازی

محبت کے گل کی عجب شکل و خُو ہے
انوکھا ہر اک پھول کا رنگ و بُو ہے

نہ کر طعن ابلیس پر رات دن تو
ترا نفس اپنا ہی تیرا عدو ہے

مروت کے میخانے کو کیا ہوا ہے
صراحی ہے خالی شکستہ سبو ہے

جو بیدار دل کی نگاہوں کو کھولا
کھلا راز ہر شئے میں بس تو ہی تو ہے

مری اپنی کچھ بھی نہیں ہے حقیقت
تعلق سے تیرے میری آبرو ہے

تیرے عشق میں کیا مقام آ گیا ہے
جدھر دیکھتا ہوں تو ہی روبرو ہے

تجھے چاک دامانوں کی کیا خبر ہے
گریبان ترا تو واعظ رفو ہے

پڑھایا سبق ایسا مرشد نے مجھ کو
زباں پر مری رات دن اللہ ہو ہے

فراقِ صنم میں یہ حالت ہے احمدؔ
مری چشم بہتی ہوئی آبجو ہے

دل جگر میں وہ میرے اترا ہے
اس کی نظروں کا تیر کیسا ہے

میں ہی محروم کیوں ہوں کرمِ یار
ابر تیرا ہر اک پہ برسا ہے

جو زباں پر نہ آنا تھا حلاج
راز منبر پہ کیوں وہ افشا ہے

صوتِ ناقوس ہو یا صوتِ اذاں
دونوں میں یار تیرا چرچا ہے

عرش پر جس کو لوگ کہتے ہیں
ذرے ذرے میں اس کا جلوہ ہے

مجھ پہ ظاہر ہے رازِ حسنِ ازل
ایک دل ہی کا ایسا دعویٰ ہے

سارے اللہ کے بندے ہیں احمدؔ
کوئی ادنیٰ نہ کوئی اعلیٰ ہے

پھر مجھ شوقِ جاں سپاری ہے
عشق کی پھر مجھے خماری ہے

پھر مرے پاؤں میں ہوئی کھجلی
پھر ارادۂ خار زاری ہے

دردِ تنہائی کا نہ کچھ پوچھو
ایک اک لمحہ مجھ پہ بھاری ہے

دل مرا خون ہو گیا شاید
خوں آنکھوں سے پھر جو جاری ہے

غمِ دنیا کی کئی ہیں ضربیں
عشق کی ضرب سب سے کاری ہے

حال میرا ہے آپ کو معلوم
آپ سے کیسی پردہ داری ہے

ہم ہیں اور دوستوں کا غم احمدؔ
کیسی یہ زندگی ہماری ہے

ایسا میں تیرے عشق کا بیمار ہو گیا
جو بھی طبیب آیا وہ لاچار ہو گیا

دیکھو تو عشقِ یار کی بندہ نوازیاں
عاشق کا بختِ خفتہ بھی بیدار ہو گیا

یلغار کی جو عشق نے کہتا ہوں باخدا
ہر حربہ عقل کا مری بے کار ہو گیا

جب تک رہا میں عشق کی بستی میں خوش رہا
جینا دیارِ عقل میں دشوار ہو گیا

آیا جو لینے دل تو اسے مفت دے دیا
احمدؔ بھی آج صاحبِ ایثار ہو گیا

قید کا ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے
آنکھ کے واسطے تو ذرہ بھی کافی ہوتا ہے

جسم میرا کاٹ کے ہیں چل دیے دشمن کہاں
پوچھیے تو زخم اک ادنیٰ سا بھی کافی ہوتا ہے

شوق سفر ہو تو قافلہ بن ہی جاتا ہے
کارواں کے واسطے بندہ بھی کافی ہوتا ہے

صبح شام کھاتا ہے مال حرام کوئی
زہر بھرا تو ایک لقمہ بھی کافی ہوتا ہے

سیکھ لو احمد تم اس سے سادگی پانے کا فن
مکڑی کے گھر کو جالا بھی کافی ہوتا ہے

ہے مجنوں اگر تاجدارِ محبت
تو لیلیٰ بھی ہے جاں نثارِ محبت

ہے خسرو اگر وارثِ تخت و شیریں
تو فرہاد ہے شہریارِ محبت

جو ہیں بوالہوس وہ غرض کے ہیں بندے
فقط کرتے ہیں کاروبارِ محبت

جو سولی پہ پہنچا تو حلاج بولا
بڑی ہی پیاری ہے دارِ محبت

انسان کے دل کے سوا سن لے احمدؔ
اٹھاتا نہیں کوئی بارِ محبت

جن کو سب جانِ جان کہتے ہیں
وہ مری جان ہی میں رہتے ہیں

ہے جدائی میں رونا اور ہی بات
دن ہو یا رات آنسو بہتے ہیں

کون سہہ سکتا ہے فراق کا غم
صرف عاشق یہ صدمے سہتے ہیں

عشق کا مرحلہ بڑا ہے سخت
اس کے جی دار ہی یہ سہتے ہیں

وہ سمجھتے ہیں ہم کو غیر احمدؔ
پھر بھی ہم ان کو اپنا کہتے ہیں

ابھی اک اہم سا اعلان ہوا ہے لوگو
جان اک بندۂ حق ہار گیا ہے لوگو

کس سے میں شکوہ کروں کس سے میں فریاد کروں
میرا دشمن جو مرا دل ہی بنا ہے لوگو

شام سے صبح تلک یادِ صنم میں گزری
عشق والوں کا ہر اک فعل جدا ہے لوگو

چاہا جس گل کو میں نے وہ ہے بے شک یکتا
باغِ دنیا میں نہ اس جیسا کھلا ہے لوگو

جس نے گم خود کو کیا ذاتِ خدا میں احمدؔ
اصل کو لوٹ کے وہ آج چلا ہے لوگو

حالِ دل ان کو سنانے جائیں گے
پھر فریبِ حسن کھانے جائیں گے

آستانِ یار پر رکھ کر جبیں
روٹھی قسمت کو منانے جائیں گے

پھر دِکھا کر دل کے زخموں کی بہار
حوصلے کی داد پانے جائیں گے

دیکھ کر محبوب کو درِ کوئے غیر
ہم بھی کوئی گُل کھلانے جائیں گے

چھُپ کے احمدؔ بھی چلے گا ساتھ ساتھ
رند جب پینے پلانے جائیں گے

میں درِ جاناں کا جب مسجود تھا
دردِ دل سے ہر زیاں وسود تھا

کیسے مل جاتی مجھے منزل مری
مطلعِ قسمت تو ابرآلود تھا

ہے فقط معبود اک ذاتِ خدا
کہنے کو فرعون بھی معبود تھا

شکوہ وآہ وفُغاں کس سے کریں
اپنی ہی آتش کا سارا دود تھا

جس کے نغمے میں تھا جادو کا اثر
وہ نبی تھا نام کا داودؑ تھا

مل گیا دریا میں جب دریا بنا
میں تو بس اک قطرۂ نابود تھا

تو نے ہی دامن نہ پھیلایا کبھی
یار احمدؔ تیرا صاحب جُود تھا

اک جفا جُو سے دل لگا بیٹھا
ہائے میں کیا قدم اٹھا بیٹھا

سلطنت دل کی مل گئی مجھ کو
میرے سر عشق کا ہُما بیٹھا

وہ کہ جس نے لگایا تھا یہ زخم
زخمِ دل اس کو ہی دِکھا بیٹھا

ایک دل تھا وہ دے دیا اس کو
یوں حساب اپنا میں چکا بیٹھا

جس نے مجھ کو بنایا ہے بے حال
حالِ دل اس کو ہی میں سنا بیٹھا

حالِ دل اس سے کیوں کہا تو نے
سویا فتنہ ہے کیوں جگا بیٹھا

کچھ تو کہہ کیا ہوا تجھے احمدؔ
اپنی صورت یہ کیا بنا بیٹھا

عشق کو مہربان ہونے دو
ہم کو بھی بے نشان ہونے دو

دل پہ کھالیں گے ہم بھی تیر نظر
اُن کے ابرو کمان ہونے دو

ہم کو بھی روبروئے حسن کرو
اپنا بھی امتحان ہونے دو

جان ہم کر ہی دیں گے ان پر نثار
یار کو جانِ جان ہونے دو

ہم بھی جا لیں گے ایک دن منزل
آرزو کو جوان ہونے دو

آ ہی جائے گا زندگی کا مزہ
مہرباں آسمان ہونے دو

میں بھی احمدؔ کہوں گا شعرِ میر
منہ میں ان کی زبان ہونے دو

عارضی حُسن پر نہ ناز کرو
ترک اپنی یہ تُرک وتاز کرو

سر جھکاؤ نہ پیشِ حرص و ہوس
عقل کا در وہاں نہ باز کرو

مل ہی جائے گی راہِ منزلِ یار
پہلے اپنا یہ دل گداز کرو

دولت فقر کی کرو خواہش
مت تمنائے حرص و آز کرو

عمر کوتاہ ہے چھوٹی چادر ہے
پاؤں احمدؔ نہ تم دراز کرو

اس عشق کے مذہب کا ایمان نرالا ہے
عشاق کی دنیا کا سامان نرالا ہے

نظریں ہیں تری مطلع پلکیں ہیں تری مقطع
آنکھوں کی یہ غزلوں کا دیوان نرالا ہے

جس نے بھی پڑھا اس کو وہ پل میں ہوا راغب
چہرے کا تری جاناں عنوان نرالا ہے

ہٹنا نہ نشانے سے جب تیر نظر کھینچوں
محبوبِ ستم گر کا فرمان نرالا ہے

زخم اُس کو دِکھاتا ہے جس نے کہ لگایا ہے
یہ احمدؔ سادہ لوح انسان نرالا ہے

جب سے ہم ان کے شناسا ہو گئے
تھے تماشائی تماشا ہو گئے

جب میسر صحبتِ مرشد ہوئی
زندگی کے راز افشا ہو گئے

تھی فروزاں جن سے بزمِ زندگی
جانے وہ کیوں لوگ عنقا ہو گئے

اس زمانے کو نہ جانے کیا ہوا
دل سبھی کے سنگِ خارا ہو گئے

جب کسی صاحبِ نظر نے کی نگاہ
ہم فرشتوں سے بھی بالا ہو گئے

اے جنونِ عشق تیرا شکریہ
سنگ بھی ہم کو گوارا ہو گئے

حاملِ انسانیت احمدؔ ہیں وہ
دوسروں کا جو سہارا ہو گئے

عمر بھر میں جس صنم سے دوستی کرتا رہا
کس لیے یارو وہ مجھ سے دشمنی کرتا رہا

ہر قدم پہ یار کی ہوتی رہی مجھ پر جفا
میں بسر مشکل سے اپنی زندگی کرتا رہا

غم گیا بیماریاں دشواریاں سب کچھ گیا
غم گساری رات بھر اک اجنبی کرتا رہا

جس کو میں نے جاں بھی دی دل بھی نذرانہ کیا
کس لیے جانے وہ مجھ سے بے رخی کرتا رہا

کر گئے ہیں بات کیا احمدؔ جہاں کے عقل مند
پھل نہ پائے گا جہاں میں جو بدی کرتا رہا

فیصلہ انصاف کا اب تم سے ہی کرواؤں گا
تیرے جرموں کو عدالت میں تری لے جاؤں گا

ہیں کرشمے علم وفن کے خیمہ زن اب ہر طرف
میں بھی پیامِ عشق سے تجھ کو کبھی بلواؤں گا

گر عطیہ خون کا دے دے مجھے تو میرے دوست
جس طرف بھی جاؤں گا خوشبو تری ہی پاؤں گا

باندھ کر سر پر جوانی میں بڑھاپے کا کفن
عشق کے میدان کا غازی میں اب بن جاؤں گا

حوصلہ تجھ میں اگر احمدؔ ہے اس کی دید کا
زخم سینے کے تجھے میں کھول کر دکھلاؤں گا

تیرا آنا بھی مرے یار بہانہ نکلا
میں حقیقت جسے سمجھا تھا فسانہ نکلا

میری غربت سے نہ گھبرا کہ میں وہ مٹی ہوں
جس کو کھودا جو کسی نے تو خزانہ نکلا

میرے جراح نے جب ان پہ چلایا نشتر
جسم کا میرے ہر اک زخم پرانا نکلا

تیر جو اس نے کسی اور کی جانب چھوڑا
جانے کیوں وہ بھی مری سمت روانہ نکلا

بھوک کے ہاتھوں شکار تو نے کیا جس جاں کا
اس کی چونچ سے فقط ایک ہی دانہ نکلا

کیسا ہوتا ہے ترقی کا وہ زینہ احمدؔ
کھوج میں جس کی شب و روز زمانہ نکلا

کام میں اپنے سبھی ہی مہرباں ہیں لگ گئے
بانشاں کچھ لگ گئے کچھ بے نشاں ہیں لگ گئے

ہر طرف ہے گرم دہشت گردی کا بازار کیوں؟
ہائے اب کس کام کو اہلِ زماں ہیں لگ گئے

کیا ہوا اس دور کو کیا عقلِ انسانی ہوئی
کھیل میں شیطانیت کے سب جواں ہیں لگ گئے

جس کو دیکھو نفس کا بندہ بنا ہے آج کل
تیرے بندے کس طرف رب جہاں ہیں لگ گئے

کیا کیا تیرِ نگاہ نے مجھ سے کیا احمدؔ کہوں
زخمِ پنہاں کچھ یہاں اور کچھ وہاں ہیں لگ گئے

اپنے اتنے بھی بُرے دوستو حالات نہیں
کعبۂ دل میں کوئی عُزیٰ و منات نہیں

بات بن جاتی، بڑی بات تھی، لوگو! لیکن
بات جو بن نہ سکی ہے تو کوئی بات نہیں

یاں رزیلوں کی ہے بن آئی جدھر بھی جائیں
اب زمانے میں نجیبوں کی کوئی ذات نہیں

وہی تحریر جسے خونِ جگر سے لکھا
اور وہ کہتے ہیں کہ یہ خاص کوئی بات نہیں

گہن چھٹ جائے گا احمدؔ یہ بالآخر، دیکھو!
قسمتِ ماہ میں پھر کوئی سیہ رات نہیں

یہ کیسی ہے بے تابی اب ہر طرف
چڑھی خون کی آندھی اب ہر طرف

جھلستا ہے ظلم و ستم سے بدن
قیامت کی ہے گرمی اب ہر طرف

سکوں کے لیے دل ہوا مضطرب
ہے بے چینی بے خوابی اب ہر طرف

لگائے ہوئے ہے ہر اک سمت آگ
فقیہوں کی ہے نادانی اب ہر طرف

جہاں میں کہاں ڈھونڈیں احمدؔ پناہ
ہے اپنوں کی بیزاری اب ہر طرف

عارضی ہے زندگی یہ جان لو
بات اک درویش کی یہ مان لو

آستانِ یار پہ گزرے حیات
بس یہی تدبیر جی میں ٹھان لو

گر فنا میں چاہتے ہو تم بقا
چھوڑ کر شاہی فقیری شان لو

مدرسے میں یہ متاع ملتی نہیں
آستانِ فقر سے ایمان لو

مل ہی جائے گا خدا احمدؔ تجھے
پہلے اپنے آپ کو پہچان لو

جو شخص اپنے آپ سے بیگانہ ہو گیا
اس کا نصیب موت کی وادی میں سو گیا

جس نے بہائے اشک ندامت کے روز و شب
عِصیاں کے جتنے داغ تھے وہ سارے دھو گیا

رحمت خدا کی اُس پہ کیوں ہو گی نہ مہرباں
مژگاں میں آنسوؤں کے جو موتی پرُو گیا

سامان آخرت کا یہیں کر کے آگے چل
آیا نہ مُڑ کے منزلِ دنیا سے جو گیا

احمدؔ ملیں گے کیسے اسے آخرت کے پھل
دنیا کے خارِ زار میں جو آ کے کھو گیا

خوشبو کی طرح رہتا ہے یادوں کے برابر
اے دوست تو بے شک ہے گلابوں کے برابر

ہوتا ہے گماں جب چلتا ہوں تیری جانب
یہ دوریاں ہیں نوری سالوں کے برابر

وہ چاند پہ گر جائیں تو دیکھیں یہ تماشا
روشن ہے زمیں چاند ستاروں کے برابر

آتا ہے زمانے میں نظر ایسے تو مجھ کو
ہو جیسے ثواب ایک گناہوں کے برابر

احمدؔ نے کہا یہ تو وہ شرما سا گیا تھا
ہے شب کی سیاہی تیرے بالوں کے برابر

آگ پرائی ہو تو اس میں جل کر مرنا ہے بیکار
اور کسی کا آسرا لے کر یارو جینا ہے بیکار

ایسا چراغ کہ جس لو پر ایک پتنگا بھی نہ آسکے
بزمِ شبِ یاراں میں اس کا بے شک جلنا ہے بیکار

دیکھا ہے آئینِ محبت کی ہر اک تحریر میں یہ
یار سے اپنے ہر اک بات پہ شکوہ کرنا ہے بیکار

کیا فائدہ ہے پچھتانے سے چڑیوں نے جب کھیت چُگا
گزرے وقت کے کھو جانے پر ہاتھ کا ملنا ہے بیکار

اس کو کیا پرواہ ہے تیری، کیا ہے اس کو تیرا غم
احمدؔ ہجرِ یار میں تیرا آہیں بھرنا ہے بیکار

اپنا جو کچھ تھا وہ گنوایا تھا
دکھ زمانے سے جب چھپایا تھا

تو نے جو ایک دیوار اٹھا رکھی تھی
یخ تری دیوار کا وہ سایہ تھا

زندگی گھٹ کے رہ گئی میری
جذبۂ عشق جب دبایا تھا

دل بہت جھوم جھوم اٹھا تھا
لب پہ جب ان کا نام آیا تھا

زندگی گیت بن گئی احمدؔ
یاد میں ان کی گنگنایا تھا

اب مری ذات کو وہ جان گیا ہے آخر
جاں نثاری کو مری مان گیا ہے آخر

ہیرے نے ہیرے کو ہی کاٹ دیا ہے آخر
اس طرح مجھ کو وہ پہچان گیا ہے آخر

عشق والوں کی تو لٹ جاتی ہے دنیا ساری
پاؤں سے میرے بھی میدان گیا ہے آخر

اپنے میدان کو اپنا ہی کھلاڑی جانے
سرِ افلاک فلک بان گیا ہے آخر

سرنگوں ڈھال مری ہوتے ہی سن لے احمدؔ
مجھ پہ شمشیر کوئی تان گیا ہے آخر

ذکرِ دل اب بھی ہوتا رہتا ہے
دن بھی اور شب بھی ہوتا رہتا ہے

میری غربت کے قصّے کہتے ہیں
تذکرہ جب بھی ہوتا رہتا ہے

زندگی کیا ہے ساتھ شیطان کے
ذکر ربّ بھی ہوتا رہتا ہے

اس زمانے کے طور ہیں بے طور
عشق بے ڈھب بھی ہوتا رہتا ہے

مجلسِ واعظ کیوں نہ ہو احمدؔ
شغلِ مے تب بھی ہوتا رہتا ہے

زخم کسی کا سیا کسی نے
خون کسی کا کیا کسی نے

ظلمت میں بھٹکا تھا جونہی
ہاتھ میں سورج دیا کسی نے

بھوک سے تھا اندھیارا گھر میں
دکھ کو روشن کیا کسی نے

نکلی آج زمیں پاؤں سے
گردوں سر پہ لیا کسی نے

عشق کے میخانے میں یارو
زہر پیالہ پیا کسی نے

خود کو کھو کر ہستی پا لی
کیسا اچھا کیا کسی نے

عشق اسیری خوب ہے احمدؔ
کیسی قید میں جیا کسی نے

کوئی چاند پیکر حسیں روبرو ہے
گلوں جیسا جس میں عجب رنگ و بو ہے

جسے دیکھتا تھا میں خوابوں میں ہر شب
جو دیکھا تجھے تُو وہی ہو بہو ہے

تمہارا ہی جلوہ ہے میری نظر میں
اُدھر چاند روشن ہے اِس سمت تُو ہے

تمہارا ہی ہو نام میرے لبوں پر
یہی میری منشا یہی آرزو ہے

کس کو خدا جانے کس کی طلب ہے
مجھے تو فقط اک تری جستجو ہے

تری آنکھیں دیتی ہیں پیغام کیا کیا
تیری خامشی میں بھی اک گفتگو ہے

یہ دیوانگی کیسی عشقِ بتاں میں
سنبھل کچھ تو احمدؔ تیری ابھی آبرو ہے

مکڑا کرتا ہے جالے کی سازش
تاکہ پھنس جاؤں اس میں باخواہش

پھر وہی تیری یادوں کے بادل
پھر وہی میری آنکھوں سے بارش

جن کی آنکھوں نے رسوا کیا ہے
میری نظروں کو اس کی ہے خواہش

چبھنے لگتی ہیں پتیاں گُل کی
جب بھی کرتے ہیں کانٹے کچھ کاوش

جب براہیمؑ آتش میں اترے
بن گئی پھول ساری ہی آتش

میرے بارے میں پوچھے گر احمدؔ
کہنا! وہی آنسو وہی تابش

اپنے پروں کو گرچہ تھا زوردار دیکھا
کیوں دام میں تمہارے خود کو شکار دیکھا

اُس کے قریب آیا جب چاند تو وہ بولا
ایسا ستارہ ہم نے بھی پہلی بار دیکھا

تو نے بھی کی توجہ تو نے بھی رحم کھایا
نادانیوں سے خود کو جب شرمسار دیکھا

رخ شادمانی سے اس کا اور لگا چمکنے
جب تاج نے حسیں اپنا تاجدار دیکھا

جو وقت کے دہانے پر غم ترا اچک لے
تم نے کیا کبھی ایسا غم گسار دیکھا

دیکھے بہت ہیں احمدؔ میں نے شدید لمحے
ایسا فراقِ شب کا اک انتظار دیکھا

ہے خاروں کو پھولوں کو کملاتا پایا
خزاں کا عَلم ہم نے لہراتا پایا

ہر اک شخص بھاگا ہر اک چیز پلٹی
جب طُوفان کو دور سے آتا پایا

روئی فصلِ گُل شبنمی آنسوؤں سے
جو غنچے کے لاشے کو نہلاتا پایا

بڑی روئی بلبل بڑی روئی قُمری
گُلوں کو جو تھا اپنے مُرجھاتا پایا

ہوا ان کا انجام معلوم احمدؔ
جو کمزور شاخوں کی اِتراتا پایا

وہ ہم کو دیکھ کر بڑے حیران ہو گئے
جن کے لیے تھے چاک گریبان ہو گئے

گزرے وہ آج میری گلی سے بصد ادا
ہم بھی تو اپنے بخت کے سلطان ہو گئے

ایسے گئے کہ ساتھ وہ خوشبو بھی لے گئے
جانے سے ان کے باغ سب ویران وہ گئے

ان کے کرم نے ایسا کیا ہم پہ فیضِ عشق
حیوان سے ابھر کے ہم انسان ہو گئے

اے دوست تیرے عشق کے جرمِ عظیم میں
احمدؔ بھی آج صاحبِ زندان ہو گئے

اس پہ روزِ ازل سے مرتا ہوں
اس کو دن رات یاد کرتا ہوں

کعبۂ عاشقاں ہے کوئے یار
اس میں ڈر ڈر کے پاؤں دھرتا ہوں

بازیٔ عشق میں ہے جیت گناہ
جیت کر بھی اسے میں ہرتا ہوں

بیج کر جو میں جو ہی کاٹوں گا
جو میں کرتا ہوں جو ہی بھرتا ہوں

کوئی بھی ڈر نہیں مجھے احمدؔ
یار کی بے رخی سے ڈرتا ہوں

دیکھی ہے میں نے ساری ہی اشیائے کائنات
اے دوست تیرا جلوہ ہے ہر ذرہ کی حیات

منصور کی سنی جو کہانی تو یہ کھُلا
کیوں لب پہ تیرے عشق کی آتی نہیں ہے بات

طولِ شبِ فراق سے گھبرا کے کی دعا
یارب کسی کے سر پہ نہ آئے جدائی رات

کوئی تو ہے کہ جس کی نگہہ سے ہے سرفراز
صحرا کا ذرہ ذرہ، اور باغوں کا پات پات

احمدؔ سنبھل کے زندگی کی راہ طے کرو
اِبلیس ہر قدم پہ ہے بیٹھا لگائے گھات

یاد آنے لگا ہے پھر کوئی
جان کھانے لگا ہے پھر کوئی

اس کی زلفوں کا باندھ کر مضموں
داد پانے لگا ہے پھر کوئی

ساتھ دے کر مرے رقیبوں کا
دل جلانے لگا ہے پھر کوئی

میرے خوابوں میں چپکے چپکے سے
روز آنے لگا ہے پھر کوئی

پھر دھڑکتا ہے دل مرا احمدؔ
آ کے جانے لگا ہے پھر کوئی

پھر جنوں نے مجھے پکارا ہے
پھر بیابان میں گزارا ہے

جو آنسو ہے تیری آنکھوں میں
میری قسمت کا اک ستارا ہے

دیکھنا خود کو اُن کا شیشے میں
کس قدر خوب یہ نظارا ہے

تیری یادیں نہ کیوں پیاری ہوں
اک یہی آسرا ہمارا ہے

کیسے تجھ تک رسائی وہ پائے
تیرا احمدؔ بڑا بیچارہ ہے

نام پر تیرے مر رہے ہیں ہم
کام یہ کیسا کر رہے ہیں ہم

عشق کرنے سے ہم نہیں ڈرتے
اپنی قسمت سے ڈر رہے ہیں ہم

بدلہ ملتا ہے ہر عمل کا یہاں
اپنا کرنا ہی بھر رہے ہیں ہم

آدمیت ہے کیا یہی احمدؔ
مثلِ حیواں، چر رہے ہیں ہم

بے محبت ہو دل خدا نہ کرے
بے مروت ہو دل خدا نہ کرے

دین سے ہو سراپا ناواقف
بے شریعت ہو دل خدا نہ کرے

اس پہ کُھل جائے رازِ مرگ وحیات
بے حقیقت ہو دل خدا نہ کرے

کیسا بھی اس کو روگ لگا ہو
بے حیثیت ہو دل خدا نہ کرے

عشق سے باوقار ہو احمدؔ
بے کرامت ہو دل خدا نہ کرے

وہ جو بیٹھے ہیں بنے انجان سے
بس وہی دشمن ہیں میری جان کے

کس نے سینے سے اڑایا دل میرا
لے گیا گل کون اس گلدان سے

یار کا جس کو ملا ہے رہ گذر
زندگی گزری ہے اس کی شان سے

ہم کو تو ہے فقر کی دولت نصیب
کیا غرض ہم کو کسی سلطان سے

بے محبت زندگی بے کیف ہے
بات احمدؔ کی سچی ایمان سے

آؤ محبت سے جیئں اس دورِ پُرآشوب میں
ہر ایک سے الفت کریں اس دورِ پرآشوب میں

جب ہو رہا ہے جھوٹ کا دھندا یہاں ہر گام پر
سچائی پر ہم مِٹ مریں اس دورِ پرآشوب میں

جب دشمنی کی ہے فضا ہر سمت میں چھائی ہوئی
دم ہم مرّوت کا بھریں اس دورِ پُرآشوب میں

جب ہر طرف لا مذہبیت کی فضا کا شور ہے
ہم رہ شریعت کی چلیں اس دورِ پُرآشوب میں

احمدؔ یقیں ہر شخص کا جب آج ہے ڈولا ہوا
ہم مے عقیدت کی پیئں اس دورِ پُرآشوب میں

صبح سے یہ انتظاری اور ہے
رات کی اختر شماری اور ہے

شہر میں لیلیٰ کی رسوائی اور ہے
دشت میں مجنوں کی خواری اور ہے

وصل میں مانا بڑی ہیں تھپکیاں
ہجر کی پر ضربِ کاری اور ہے

بوالہوس تو مئے کو پی کر مست ہے
جو غشی ہم پہ ہے طاری اور ہے

اور ہی ہے آدمی کی مشتِ خاک
خلقتِ نوری و ناری اور ہے

یوں تو سارے جسم میں خوں ہے رواں
آنسوؤں کی خون باری اور ہے

حُسن کی یوں تو ہیں لاکھوں صورتیں
یار کی صورت پیاری اور ہے

ہے بدن میں جان احمدؔ اور شئے
روح جو اس میں ہے جاری اور ہے

جو شَجر سایہ دار ہوتے ہیں
ہر مسافر کے یار ہوتے ہیں

جس کی قسمت میں ہے الم ناکی
وہ تو زندہ مزار ہوتے ہیں

جو ہیں احسانِ غیر سے بالا
کب بھلا زیرِبار ہوتے ہیں

میرے اشکوں کے میرے گالوں سے
روز بوس و کنار ہوتے ہیں

ان کے ہی تاک میں خزاں دیکھی
باغ جو پُر بہار ہوتے ہیں

ہے تعلق نگاہ سے ان کا
تیر جو دل کے پار ہوتے ہیں

باوفا جو نہیں ہیں ایسے لوگ
اک نہیں بے شمار ہوتے ہیں

جو جنوں والوں کے گریباں ہیں
اک وہی تار تار ہوتے ہیں

ایک منصورؒ کے سوا احمدؔ
لوگ کب زیرِ دار ہوتے ہیں

مجھے تیری گلی جنت نما معلوم ہوتی ہے
میں سچ کہتا ہوں ایسی باخدا معلوم ہوتی ہے

مرے بارے میں ایسی بدگمانی ہے تیرے دل میں
تجھے میری دعا بھی بددعا معلوم ہوتی ہے

کرشمہ ہے یہ میرے عشق کی بالغ نگاہی کا
مجھے تیری ہر اک حرکت اداء معلوم ہوتی ہے

سخن جو ناروا ہوتی ہے دنیا کے اصولوں میں
وہ دنیائے محبت میں روا معلوم ہوتی ہے

حقیقت میں یہ قدرت کا ہے فیضانِ خفی مجھ پر
بظاہر یہ محبت اک سزا معلوم ہوتی ہے

وجودی آنکھ سے دیکھا جو دنیا کے تماشے کو
مجھے ہر ذرے میں شانِ خدا معلوم ہوتی ہے

نہ جانے مجھ کو کیوں وہ بات ہوتی ہے پسند احمدؔ
سخن جو دوسرے کو ناروا معلوم ہوتی ہے

سخت پچھتائے گا وہ یارِ جفا میرے بعد
کس کی جرأت ہے کرے اس سے وفا میرے بعد

زندگی بھر ہی رہا میری بھلائی سے پرے
اب کیا خاک کرے گا تو دعا میرے بعد

میرے جانے سے جہاں ایسے ہی قائم ہو گا
ہوں گے گردش میں یونہی ارض وسما میرے بعد

صحنِ گلشن نے مرے آنے سے رونق پائی
صبح دم آئے گی کیوں بادِ صبا میرے بعد

میں نے تو تیری ہر اک بات پہ لبیک کہا
راس آئے گی کسے تیری اداء میرے بعد

غالبِؔ خستہ نے کیا خوب کہی احمدؔ بات
"کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد"

گو وہ سنتے نہ رہے ہم تو سناتے ہی رہے
وہ تو منتے نہ رہے ہم تو مناتے ہی رہے

میں نے سیکھی تھی عجب ایک اداء ساقی سے
خشک لب رہ کے بھی ہم سب کو پلاتے ہی رہے

یہ غمِ عشق کی ہے ایک علامت واعظ
دشمنوں تک کو بھی ہم رو کے ہنساتے ہی رہے

دب سکا پھر بھی نہ کیوں میں یہ بتاؤں کیسے
جذبہ عشق کو گو دل میں سلاتے ہی رہے

بے وفا یار کے دیدار کی خاطر یارو
ہم تو اغیار کے کوچے میں بھی جاتے ہی رہے

تھے اگرچہ بڑے آلامِ جہاں اس میں چھپے
کوچہء یار میں ہم پھر بھی تو جاتے ہی رہے

لاکھ واعظ نے ہمیں روکا مگر اے احمدؔ
عشق کا دیوتا ہم دل میں سجاتے ہی رہے

بے حجابانہ کھڑے ہیں وہ سرِ بام ابھی
دل جگر کو مرے اے شوق ذرا تھام ابھی

ہجر کی رات کٹے گی تو کٹے گی کیسے
چارہ گر دیکھ تو ہے وقتِ سرِ شام ابھی

مٹ نہیں سکتا حوادث کے مَیں طوفانوں سے
لب پہ میرے ہے ترا نام ابھی نام ابھی

ساری مخلوق سے کیوں ورنہ تو نفرت کرتا
نامکمل سا ہے واعظ ترا اسلام ابھی

تِشنہ کامی نہیں جاتی ابھی تک میری
ساقیا رہنے دے ہاتھوں میں مرے جام ابھی

کس لیے کرتا ہے تو یار کا شکوہ احمدؔ
عشق تیرا ہے مری جان بڑا خام ابھی

وہ قسمِ وعدے کی جو کھانے لگے
دل میں سَو سَو وسوسے آنے لگے

عشق کی دنیا میں جو آنے لگے
عقل والوں کو وہ دیوانے لگے

شکوۂ بیداد جب اُن سے کیا
کون ہو تم؟ تو مجھ سے فرمانے لگے

ان کی آنکھوں میں جو جھانکا غور سے
ہے قسم مجھ کو وہ میخانے لگے

جن کو بھی دیکھا طوافِ شمع میں
مجھ کو تو وہ سارے پروانے لگے

یاد میں ان کی جو آنسو تھے بہے
اہلِ دل کو وہ تو دُردانے لگے

عاشقی میں خود کو کھو دینے کے بعد
جانے ہم کیوں خود کو بیگانے لگے

آئے تھے سمجھانے میرے یار کو
شیخ جی خود لوٹنی کھانے لگے

عشق پہنچا جن حقائق پر وہ سب
عقلِ بے چاری کو افسانے لگے

کوئی تو تھی بات بزمِ حُسن میں
شیخ جی بھی آنے اور جانے لگے

بندۂ محبوب جب احمدؔ ہوئے
جانے کیوں وہ خود کو انجانے لگے

جب سے احمدؔ، میرؔ کے سوداؔ ہوئے
دردؔ اپنے شعر میں پانے لگے

جو بھی تیرے غلام ہوتے ہیں
آقائے خاص و عام ہوتے ہیں

حُسن کا جن کو اپنے ہے احساس
بڑی مشکل سے رام ہوتے ہیں

جن کی نسبت ہے فقر والوں سے
ان کو شاہی سلام ہوتے ہیں

فیضِ ساقی اُنہیں پہ ہوتا ہے
جن کے ہاتھوں میں جام ہوتے ہیں

سلطنت عشق کی ہے وہ احمدؔ
جس کے اپنے نظام ہوتے ہیں

نمرود کی مٹی ہو کہ ہامان کی مٹی
مٹی میں ملی دیکھی ہے سلطان کی مٹی

اس دور میں اڑتی ہوئی دیکھی ہے ہوا میں
وہ علم کی مٹی ہو کہ عرفان کی مٹی

عاصی کی تو مٹی ہے فقط عام سی مٹی
ہوتی ہے شہیدوں کی بڑی شان کی مٹی

جب قبر میں جاتی ہے تو ہوتی ہے برابر
عاقل کی ہو مٹی کہ ہو نادان کی مٹی

وہ خوب ہے مٹی جو ہو زرخیز سی احمدؔ
وہ کوہ کی مٹی ہو کہ میدان کی مٹی

مجھے مِل گئے ہیں زمانے ترے
جو پیشِ نظر آستانے ترے

میرے سینہ و دل سے پوچھو کبھی
ہیں کیسے نظر کے نشانے ترے

یہ جی چاہتا ہے تو کرتا رہے
ہیں دل چسپ کتنے بہانے ترے

اے بلبل! خزاں جانے کیوں لے اڑی
تری ٹہنیاں آشیانے ترے

تو احمدؔ پہ بھی کر خدایا نظر
ہیں رحمت بھرے سب خزانے ترے

چھوٹے کو کھاتا ہے بڑا آج بھی
یہ تماشا ہو رہا ہے آج بھی

یہ پرانے دور کی باتیں نہیں
جو بھی کھوٹا ہے کھرا ہے آج بھی

ہر کسی کو نیست کرنے کے لیے
ہر طرف طوفاں چڑھا ہے آج بھی

مکھیوں کو پھانسنے کے واسطے
جالا مکڑی نے بُنا ہے آج بھی

جو بھی احمدؔ ہے شریف و ناتواں
وہ مسائل میں گھِرا ہے آج بھی

شانے ہیں رکھے اس لیے اس نے نکھار کے
ڈالے گا اس پہ ایک دن گیسو سنوار کے

جس نے چبھن سے اپنی اسے بامزہ کیا
پاؤں کو میرے پیار ہے اس نوکِ خار سے

سونا نہیں یہ مٹی تو ہر وقت ہے نصیب
ٹوٹے تو اور لائیں گے برتن کمہار کے

کاری ہے ضربِ عشق ہر ضربِ شدید پر
اِک دن لُہار کا ہے تو سو دن سُنار کے

احمدؔ کوئی بھی فرق اب باقی نہیں رہا
دامن کے تار کے یا گریباں کے تار کے

زندگی بھر یہی کمائی کی
جو ملا اس سے بس بھلائی کی

جس جگہ دیکھی میں نے تاریکی
اپنے چاند سے روشنائی کی

ذرے ذرے میں دیکھا سورج کو
بات یہ بھی تھی انتہائی کی

میں نے دامان چاک والوں کی
نوکِ مژگان سے سلائی کی

میں نے ہر شخص سے پیار کیا
سوچ تک ہی برائی کی

ٹوٹے دل میں نے جوڑے ہیں احمدؔ
بات ہر ختم کی جدائی کی

کام کا آغاز ہے انجام بھی ہو گا
جو عشق ہے پختہ کبھی خام بھی ہو گا

اک میں نے بھی جاں کی ہے ترے نام پہ قربان
دیکھو تو ! شہیدوں میں مرا نام بھی ہو گا

کچھ طائرِ دل جس جگہ زخمی سے پڑے ہیں
دل میرا تو اس جا پہ تہِ دام بھی ہو گا

جی چاہتا ہے میکدے میں عمر بسر ہو
ساقی نہیں ہو گا تو کہیں جام بھی ہو گا

کیوں یار کے کوچے میں چلا جاؤں نہ احمدؔ
وہاں آلام ہو گا تو آرام بھی ہو گا

اللہ کو جو لوگ بھلایا نہیں کرتے
ابلیس کے دھوکے میں وہ آیا نہیں کرتے

سُر تال کے جو راز سے واقف نہیں ہوتے
ان کو تو کوئی راگ سنایا نہیں کرتے

آتے نہیں جو سایۂ اشجار کے نیچے
خود جا کے وہ ان پر کبھی سایا نہیں کرتے

اللہ ہی کی جانب سے ہے اچھی بری تقدیر
تدبیر سے ہم کچھ بھی تو پایا نہیں کرتے

جو مرشدِ کامل کے نہیں ہوتے پرستار
احمدؔ وہ خداوند کو بھایا نہیں کرتے

میں کیا ہوں، کون ہوں، مجھے اپنی خبر نہیں
میں دیکھ پاؤں خود کو اب ایسی نظر نہیں

کیا ہو گیا ہے شہر کو میرے، ترے بغیر
پہلے سے اب وہ کوچہ و دیوار نہیں

سمجھے گا کون میری اس محرومی کا سبب
ترے نشانِ پا کے جو قابل ہو سر نہیں

شاید خلوص و صدق میں ہی آ گئی کمی
کچھ بات ہے جو آہ میں میری اثر نہیں

کرتا ہوں ان سے دل ہی میں نامہ و پیام
کیا ہے مضائقہ جو میرا نامہ بر نہیں

احمدؔ مرا یہ سینہ بیابان ہی تو ہے
کیا ہو گیا جو میرا بیاباں میں گھر نہیں

کاش ہوتی اسے وفا کی خبر
عشق میں جذبۂ رضا کی خبر

کیوں ملوث ہوں میں خطاؤں میں
مل گئی جب جزا سزا کی خبر

آدمی کو ہزار دھندے ہیں
ہے فرشتوں کو بس ثناء کی خبر

میں سراپا وفا کا پیکر ہوں
اس کو تو ہے فقط جفا کی خبر

کاش ہوتی تجھے بھی اے واعظ
عشق کی خوبرو بلا کی خبر

مرغِ عرفاں سے باخبر ہے فقیر
ہو گی سلطان کو ہما کی خبر

جس کو اپنی خبر ملی احمدؔ
ہوگئی اس کو تو خدا کی خبر

آگ جب طائر نے دیکھی آشیاں کے آس پاس
نالۂ بے سود پہنچا آسماں کے آس پاس

حادثہ کوئی گلستاں میں نہ پھر ہونے کو ہو
میں نے دیکھے ہیں شکاری باغباں کے آس پاس

پھر نہ ہو جائے کسی کی سازِش نو کامیاب
پھر ہجومِ دشمناں ہیں دل ستاں کے آس پاس

دعوتِ شیراز کا شاید ہوا ہے اہتمام
آ رہے ہیں سر جو مژگاں کی سناں کے آس پاس

بات ہے کوئی تو احمدؔ گلستاں کے صحن میں
بلبلیں خاموش ہیں جو خوش بیاں کے آس پاس

پھرتے ہیں کوچے میں ہر خاص و عام لوگ
کرتے نہیں ہیں کس لیے ہر اک کو سلام لوگ

جن کی صدا پہ جھومتی تھی ساری کائنات
جانے کہاں ہیں چھپ گئے وہ خوش کلام لوگ

مجھ کو تو تیرے شہر کا ہر فرد ہے عزیز
کیوں اجنبی سمجھتے ہیں مجھ کو تمام لوگ

خالی ہیں آج ان کے سَبو جانے کس لئے
بھر بھر کے جام پیتے تھے جو صبح شام لوگ

دیکھے ہیں میں نے ہر طرح کے آدمی احمدؔ
ہیں کچھ اگر حلال تو کچھ ہیں حرام لوگ

ہجر کی رات جی لیا میں نے
کس قدر صبر ہے کیا میں نے

شکر! پیرِ مغاں کے ہاتھوں سے
عشق کا جام ہی پیا میں نے

بھول اک خاص اس میں آ ٹھہری
جب گریباں کو سیا میں نے

جس سے روشن ہے میرا قلب ِحیات
وہ جلا رکھا ہے دیا میں نے

پیٹ کا بندہ بن گیا میں تو
ہائے احمدؔ یہ کیا کیا میں نے

اے حُسنِ یار تجھ کو سجاتا ہے آئینہ
تجھ کو حسین اور بناتا ہے آئینہ

ہو جاتا ہے یہ پہلے سے بھی صاف شیشہ گر
جب بھی حسین دست میں آتا ہے آئینہ

پوشیدہ اس میں کس قدر جوہر ہے عدل کا
جتنا ہو قد اسی کو دِکھاتا ہے آئینہ

اس کو دِکھاتا ہے وہ صفاتِ خدا کی شکل
جب بھی کسی کو پاس بلاتا ہے آئینہ

آئینہ دل کا بھی کبھی احمدؔ تو دیکھ لے
دونوں جہاں کی سیر کراتا ہے آئینہ

اپنے دلدار پر غزل لکھوں
کیوں نہ میں یار پر غزل لکھوں

ہجر کی رات کے اندھیرے میں
لمحۂ خوار پر غزل لکھوں

دو خزانے مجھے بھی لفظوں کے
ان کے اقرار پر غزل لکھوں

ان کی ضد کے بیان کرنے کو
اپنے اصرار پر غزل لکھوں

مکر کے جس کو داؤ آتے ہیں
اس جفا کار پر غزل لکھوں

مری قسمت جو ہو بھلی احمدؔ
یار کے پیار پر غزل لکھوں

دل جگر نام ہو گئے تیرے
کیسے یہ کام ہو گئے تیرے

ہر کسی کو تو رام کرتا ہے
شعبدے عام ہو گئے تیرے

جب سے تیری ہوئی ہے جلوہ گری
سارے در بام ہو گئے تیرے

کیوں نہ پھر رند تجھ پہ اترائیں
ساقی پُر جام ہو گئے تیرے

کیوں ہے احمدؔ ہی ناتمام ابھی
پختہ سب خام ہو گئے تیرے

تیرے غم میں زندگی کیوں گھٹ گئی
کیسے دونوں میں ندامت بٹ گئی

بچ سکا کوئی کہاں فولاد جسم
جس کو زمانے کی "دیمک" چٹ گئی

کام غفلت سے نہ لینا دوستو!
اپنی تو اچھی بری سب کٹ گئی

عشق نے بول بالا کر دیا
تیرے غم کی جو گھٹا تھی چھٹ گئی

اب اسے شفاف تو احمدؔ کرو
زندگانی گرد سے اب اٹ گئی

دیکھو دیکھو کون ہے آیا
اک نشہ سا دل پر چھایا

یادِ یار سے ہو گیا تازہ
دل کا پھول جو تھا مرجھایا

عالم عالم اس کا شیدا
کس نے اپنا رخ دکھلایا

عشق بِنا دل غافل کافر
اہلِ ذکر نے ہے فرمایا

عشق کی آتش اور بھی بھڑکی
ناصح نے جب بھی سمجھایا

احمدؔ دیکھ ! رسولِؐ عربی
کس ماں نے ہے ایسا جایا

کیوں کسی کے لیے تو مرتا ہے
قبر میں کون ساتھ چلتا ہے

دیکھ سر پہ تیرے ہے موت کھڑی
کیوں اچھلتا ہے کیوں اکڑتا ہے

"لاتَخَف" اس کی شان میں آیا
کب کسی سے فقیر ڈرتا ہے

کچھ زمانے کا اعتبار نہیں
رنگ ہر وقت وہ بدلتا ہے

کیا زمانے کو ہو گیا احمدؔ
آدمی آدمی سے ڈرتا ہے

اس دور کا کامل اِک انسان پکڑ لیں گے
اب زیست کا ہم بھی وہ نگران پکڑ لیں گے

یہ چھین ہی لیتی ہے ہر روز مرا سایہ
اس شام کا اب ہم بھی دامان پکڑ لیں گے

وہ رکھتے ہیں ہم کو ہی اب اپنے نشانے پر
ہم صبر کا اک بھاری سامان پکڑ لیں گے

جو ہاتھ مرے اُٹھیں درگاہِ محبت میں
ان ہاتھوں سے اک دن ہم ایمان پکڑ لیں گے

انصاف کرو احمدؔ! تم تھک نہ کہیں جانا
وہ دوست تمہارے ہیں میزان پکڑ لیں گے

گزر گئے کئی سال قریباً
رنگت کھو گئے بال قریباً

نکلی کوئی فال قریباً
وہ جانے مرا حال قریباً

جب کرتے وہ سُر میں باتیں
مجھ سے ملتی تال قریباً

کوّا ہنس کی چال چلا تھا
بھولا اپنی چال قریباً

بعد میں پچھتاوا سا ہوگا
عدو پہ گھیرا ڈال قریباً

کیا جو تیری گال سے سودا
دامن بھر کے لعل قریباً

نفس سے ٹپکے رال قریباً
ادھڑی میری کھال قریباً

مادّیت کا دور ہے احمدؔ
عشق کا لُٹ گیا مال قریباً

جاتے ہیں لوگو چھت پہ ہم ہر بار کس لئے
دامن کا میرے ٹوٹا ہے ہر تار کس لئے

پاؤں سے کھینچتے ہو کفشِ خار کس لئے
جاتے ہو پھر سفر پہ میرے یار کس لیے

اجڑے ہوئے دل کی بڑی سی جیل میں بتا!
ہیں بند کتنے بے گُنہہ لاچار کس لئے

جھونکے ہوائے گرم کے جب پھینکتی ہے دھوپ
سائے میں ہو بتاؤ تم تو اب خوار کس لئے

ہاتھ اپنے باندھ کے رکھیں! پیشِ صنم ذرا
کہتا ہوں میں آپ کو یہ ہر بار کس لئے

احمدؔ کو رک کے اس کا بھی دینا کچھ جواب
ہے سفرِ عاشقی بڑا بیزار کس لیے

احمدؔ مرے نصیب میں منزل نہیں اگر
منزل کے پھر نظر میں ہیں آثار کس لئے

دنیائے محبت میں کم اہلِ نظر دیکھے
مٹھی کے برابر ہی دیکھے ہیں اگر دیکھے

دکھ اشکوں کے اندر ہی لپٹے ہوئے پائے ہیں
پوشیدہ تھے دل میں جو وہ زخم بھی تر دیکھے

آوازِ سرافیلؑ کس کو ہے سنائی دی
ہوتے ہیں قیامت کے جو ہم نے خطر دیکھے

راتیں تو مقدر میں تاریک رہیں اپنے
اور دن بھی ہمیشہ سے مشکل میں بسر دیکھے

احمدؔ یہ رقیبوں کے بدنوں پہ بھی لگ جاتا
ہاتھ اپنے ہی کیوں ہم نے اس خون میں تر دیکھے

محبت کرنے والے آدمی آزاد ہوتے ہیں
اگرچہ دیکھنے میں وہ بہت برباد ہوتے ہیں

انہیں پر بے شبہ اے دوستو فیضان ہوتا ہے
محبت کے گلی کوچوں میں جو آباد ہوتے ہیں

حقیقت میں وہی آباد کہلاتے ہیں دنیا میں
بظاہر دیکھنے میں اہلِ دل ناشاد ہوتے ہیں

جنہیں تن سے محبت ہے وہ ہیں بے کار سے بندے
جو من کے ہیں پجاری بس وہی دل شاد ہوتے ہیں

جو ساری زندگی دنیا میں گم ہو جاتے ہیں احمدؔ
یقیں سے کہتا ہوں وہ لوگ ہی آزاد ہوتے ہیں

آئے تھے کل وہ بزم میں آ کر چلے گئے
زاہد تھے یا وہ رند تھے بتا کر چلے گئے

اپنے حسین رخ کی تپش کے طفیل ہی
اک آگ تھی وہ جس کو لگا کر چلے گئے

ایسا لگا ہوا تھا لہو اس کے دَہن کو
ہر دل کو ہر جگر کو وہ کھا کر چلے گئے

ہم نے بھی عشقِ لیلیٰ کی اپنائی طرز ہے
ہم بھی تو خود کو مجنوں بنا کر چلے گئے

آئے تھے ان کے کوچے میں بن کر گدا کبھی
اس در کے خود کو منگتے بنا کر چلے گئے

جن لوگوں کو فقیر ہم احمدؔ تھے کہہ رہے
وہ زندگی کے راز کو پا کر چلے گئے

میرے دل کی نوائے عاشقانہ
کسی کی ہے صدائے محرمانہ

ہوس کی جلوہ فرمائی شررسی
محبت کی ادائیں جاودانہ

کبھی آہیں کبھی نالے کبھی غم
ہے اہلِ عشق کا کیسا ترانہ

نہ پہنچے یار کے کوچے میں ہم تو
نہ آیا ہم کو ملنے کا بہانہ

حقیقت میں جفائے یار ہی تھی
بظاہر تھی ادائے مہربانہ

تری احمدؔ ہے قسمت کا خم و پیچ
بُرا ہے وقت اور نہ یہ زمانہ

صداقت کے لیے اڑنا پڑے گا
مگر ہر ایک سے لڑنا پڑے گا

جلائے گا جو غیروں کے لیے آگ
اُسے خود آگ میں جلنا پڑے گا

کوئی مشکل کا ساتھی یاں نہیں ہے
خود اپنے خون پر پلنا پڑے گا

نہیں اچھا گزرنا ایک حد سے
اے رونے والے اب ہنسنا پڑے گا

اگر ہے تمنا کامیابی کی
تو احمدؔ وقت سے لڑنا پڑے گا

پیمانہ میرے صبر کا لبریز ہو گیا
اٹھا قدم تو تیز سے وہ تیز ہو گیا

رکھو تیاری ہر زماں لوگو جہاد کی
باطل کا ہر عمل شر آمیز ہو گیا

تکبیر کا جو نعرہ سنا کوہِ کفر نے
مانندِ سنگریزہ ریز ریز ہو گیا

ہو گا اب ہر فیصلہ میدانِ عمل میں
متروک اب یہ طرزِ سخن آمیز ہو گیا

تلوار ہاتھ میں ہے اور سر پر بندھا کفن
احمدؔ برائے جہد کفر خیز ہو گیا

عمر بھر کی مری کمائی لو
اک شبِ ہجر کی جدائی لو

وہ جو گزری تھی انتظار میں شب
مجھ سے اس رات کی دہائی لو

ہو یہ سودا اگر تجھے منظور
دو وفا اور بے وفائی لو

وہ جو پاتا ہوں خواب میں تجھ کو
ان کی تم مجھ سے خوں بہائی لو

شان کے میری ہو چکے سودے
مجھ سے احمدؔ ہر اک بھلائی لو

بعد از معذرت شکایت کیوں
دشمنِ عقل کو ہدایت کیوں

جب کہ فانی ہے دنیا کی ہر شئے
پھر یہ اسراف میں کفایت کیوں

ترے اسلاف کی تھی اپنی شان
لب پہ اغیار کی حکایت کیوں

السلام علیکم ہی کہیے
حال کیا ہے؟ کی یہ روایت کیوں

عدل کر تو زمانے میں احمدؔ
تیری اپنوں پہ ہی عنایت کیوں

جس نے کیا محبت باطل کا پردہ فاش
فرہاد کا وہ تیشہ تھا فرہاد کی وہ لاش

احمد گزار زندگی محتاط ہو کے تو
نیکوں کے ساتھ ہوتے ہیں دنیا میں بدقماش

قدسی نزول عشق کا ہوتا ہے اس پہ جب
پتھر ہے دل اگر تو ہو جاتا ہے پاش پاش

والد کی اک نگاہ سے بڑھتی ہے عرش تک
سینے میں ایک چھوٹی سی بھی ہو دعا کی قاش

احمد گزار زندگی مخلوق کے لیے
ایسا چلن ہو تیرا کہیں سب ہی یار باش

میرے سر پہ جو ہے آسمان کبود
اس کی گردش کی زد میں ہے بس ہست و بود

کر دیا اس نے قسمت کو میری سیاہ
آہ بن کے جو اٹھتا ہے سینے میں دود

گانے اور رقص میں روح کو جذب کر
چھوڑ بے سوز و بے کیف رقص و سرود

کیف و غم میں پھنسا زندگی بھر رہا
جب حقیقت کھلی کچھ زیاں تھا نہ سود

تجھ کو احمدؔ خبر تک نہ ہی ہو سکی
رہزن ظلم پرور دل و جاں دبود

جو میرے دل میں تھا وہ میری زبان تک آیا
جو تھا بے حرف بیاں حرف بیاں تک آیا

عقل نے علم نے یہ جادو کیا ہے مجھ پر
میرا ایقان جو تھا وہم و گماں تک آیا

جب مرے مرنے پر سجدہ کی صورت بدلی
درِ کعبہ سے وہ دہلیز بتاں تک آیا

کیا رہا زندگی میں باقی سوائے دو دم
مقصد زندگی جب سود زیاں تک آیا

ہے بڑا زود اثر عشق و جنوں کا جادو
ذہن سے اترا تو یہ روح رواں تک آیا

یار نے سن کے کہا جھوٹ ہے، یہ جھوٹ
میرا شکوہ تک جو کبھی میرے لباں تک آیا

عشق کے گھر میں تو واویلا مچی تھی احمدؔ
عقل اپناتے ہی میں امن واماں تک آیا

مجھے آباد کیا خوب کیا خوب کیا
مجھ کو برباد کیا خوب کیا خوب کیا

غیر کو شاد کیا خوب کیا خوب کیا
مجھ کو ناشاد کیا خوب کیا خوب کیا

شکریہ عشق کا قیدی جو بنایا مجھ کو
غیر آزاد کیا خوب کیا خوب کیا

غیر کو شوم بنایا ہے یہ قدرت نے
مجھ کو جواد کیا خوب کیا خوب کیا

شکریہ مجھ کو بنایا ہے وفا کا پتلا
اس کو جلاد کیا خوب کیا خوب کیا

ازرہ شوخی وہ کہنے لگا مجھ سے احمد
مجھ کو جو یاد کیا خوب کیا خوب کیا

ہر ایک جا سے مجھے پیارا دیارِ مرشد دیارِ مرشد
زمین کا جیسے ہو چاند تارا دیارِ مرشد دیارِ مرشد

عقیدت و شوق کی نگاہ سے جو پایا میں نے جو دیکھا میں نے
بہشت سارا دشت سارا دیارِ مرشد دیارِ مرشد

چڑھا کچھ ایسا خمار مجھ پر میں سب کچھ بھولا میں خود کو بھولا
ہر مستی کا جیسے ایک دھارا دیارِ مرشد دیارِ مرشد

نگاہ بیدار پیدا کر کے خدا کے انوار اس میں پھر سے
کراتا ہے باطنی نظارا دیارِ مرشد دیارِ مرشد

شکستہ دل جتنے بھی آتے ہیں مطمئن ہو کے یہاں سے جاتے ہیں
ہے بے سہاروں کا اک سہارا دیارِ مرشد دیارِ مرشد

اے یار تجھ کو حسنِ معطر کا واسطہ
کر مجھ سے پیار اپنے مقدر کا واسطہ

وہ در تمہارا جس سے ہیں لاکھوں ہی فیض یاب
کر سرفراز مجھ کو بھی اس در کا واسطہ

مجھ کو بھی اپنے عشق کی معراج کر عطا
تجھ کو ہے جبرئیل کے شہپر کا واسطہ

میرا بھی سینہ بھر دے محبت کے نور سے
اے دوست تجھ کو روئے منور کا واسطہ

چوکھٹ پہ اپنی احمدِ بے کس کو بلا
بخت رسا کے یارِ من اختر کا واسطہ

اے دوست کہہ کر خوف خدا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر
ہر جور ستم سے ہاتھ اٹھا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر

اب مجھ میں نہیں ہمت باقی ہر تیری جفا کے سہنے کی
دے مجھے نہ ایسی لمبی سزا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر

میں منتیں کرتا ہوں تیری میں پاؤں بھی تیرے پڑتا ہوں
ہاں رحم کو بھی دے دل میں جا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر

مدت سے تو کہتا آیا ہے غم خوار ہوں میں غم خوار ہوں میں
کچھ عمل بھی کر باتیں نہ بنا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر

مخلوقِ خدا سے پیار بڑا ہی من بھاتا ہے خالق کو
نفرت کی ہر چیز جلا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر

کیوں اپنے ہی چاہنے والے سے تو روٹھا رہتا ہے
احمدؔ تو وفا ہے سر تا پا اب ظلم نہ کر اب ظلم نہ کر

تم مادہ حیات پر ثابت قدم رہو
چلنی ہے جو بھی چال وہ انسان کی چلو

نکلے تمہارے منہ سے کوئی بھی فضول بات
تولو ہر ایک لفظ کو پہلے تو پھر کہو

سختی کا وقت ہوتا ہے ہر چند بڑا سخت
جو لمحہ بھی تم کو سہنا ہے وہ صبر سے سہو

ہر ایک سے رویہ تم رکھو پیار کا
حاسد کا کام جلنا ہے کہہ دو چلو چلو

کر بیٹھو گر گناہ کوئی یا خطا کوئی
افسوس کے جو ہاتھ ہیں وہ لازماً ملو

فانی ہے یہ جہاں اور فانی ہے زندگی
رہ جائے یادگار جو ایسا عمل کرو

کیا ہے سلوک مجھ سے تمہارا نہیں ہے عرض
احمدؔ کی یہ دعا ہے تم پھولو اور پھلو

تیری گلی کی یار فضا ہی عجیب ہے
دیوار و در عجیب ہوا ہی عجیب ہے

دیدار یار ہو تو شفایاب ہے مریض
اس درد عشق کی تو دوا ہی عجیب ہے

یا رب نہ ہو کمی کہیں عشق حبیب میں
عاشق کی دیکھئے تو دعا ہی عجیب ہے

ہر ساز کی نوا کا سازندہ ہے خبیر
اس ساز عشق کی تو نوا ہی عجیب ہے

ہر رنگ کی قباء کو دیکھا بہت مگر
محبوب کی مرے تو قباء ہی عجیب ہے

ہر اک بلا کا توڑ اس عشق کے سوا
کیا چارہ گر کرے یہ بلا ہی عجیب ہے

گلزار ہست و بو میں احمد کھڑا ہوں میں
اس باغ عشق کی تو حیا ہی عجیب ہے

اپنا یار ہر اک کو پیارا لگتا ہے
دل کے فلک کا چاند ستارا لگتا ہے

اصل میں ہے وہ ہرجائی اور بے جائی
جانے پھر بھی کیوں ہمارا لگتا ہے

شاخ پہ جب بلبل لیتی ہے گل بوسے
کتنا وہ مرغوب نظارا لگتا ہے

ڈوب رہی ہو کشتی جب منجدھاروں میں
کتنا اچھا اس کو کنارا لگتا ہے

تیری ایک نظر جو ہو جاتی ہے کبھی
ڈوبتے کو تنکے کا سہارا لگتا ہے

عشق کی دنیا میں نقصان بھی نفع بھی
عقل کے ہر سودے میں خسارا لگتا ہے

احمدؔ ہر ایک پوچھتا ہے یہ کیوں مجھ سے
کہنا سچ سچ کیا وہ تمہارا لگتا ہے

عشق کی ظالم ہے سرکار توبہ توبہ استغفار
جوروستم کی ہے بھرمار توبہ توبہ استغفار

دشت جنوں کا ہر اک خار توبہ توبہ استغفار
جیسے سانپوں کی پھنکار توبہ توبہ استغفار

ہر کوئی آج ہوا زردار توبہ توبہ استغفار
جیب میں سکوں کی جھنکار توبہ توبہ استغفار

جس میں ہے ہوتا کاروبار توبہ توبہ استغفار
جھوٹ مکر کا ہے بازار توبہ توبہ استغفار

احمد دیکھا ہے پرچار توبہ توبہ استغفار
کوچہ ہو یا ہو دربار توبہ توبہ استغفار

کیسی ہے آندھی چلی کہ الحفیظ و الامان
ہر سو مچی ہے کھلبلی کہ الحفیظ و الامان

اجڑے ہوئے ہیں شہر سب اس دور کی تہذیب کے
سونی پڑی ہے گلی کہ الحفیظ و الامان

اجڑے ہوئے ہیں سب چمن عرفان و آگاہی کے اب
مرجھا گئی ہے کلی کہ الحفیظ و الامان

وہ زندگی انسان کی ہے خاک میں لتھڑی ہوئی
جو ناز و نعمت میں پلی کہ الحفیظ و الامان

احمد یہ کڑوی ہو گئی احمد کسیلی ہو گئی
یہ دال تو نے کیا دلی کہ الحفیظ و الامان

سنتا گر تو واعظ دل آشنا کی باتیں
دن رات تو بھی کرتا اس کی ادا کی باتیں

ہر ایک کی زباں پر دن رات آ رہی ہیں
میری وفا کی باتیں اس کی جفا کی باتیں

پھولوں کی پتیوں نے بن کر زباں پکارا
ہم سے بھی ہیں پیاری اس دلربا کی باتیں

سب کر رہے ہیں اس میں باتیں میرے صنم کی
ہوتی تھیں جس چمن میں بادِ صبا کی باتیں

ہر ایک سے پیاری ہیں میرے دلربا کی باتیں
رنگ کی باتیں بند قبا کی باتیں

احمدؔ مری زباں پر دن رات آ رہی ہیں
ہر صبح شام اپنے رب علیٰ کی باتیں

عشق کا میں جب سے غم کھانے لگا
زندگانی کا مزا آنے لگا

پہلے وہ مجھ سے بڑا بے باک تھا
رازِ دل کہتے ہی شرمانے لگا

آشنا سے دل کی جب باتیں کہیں
کون ہو تم مجھ سے فرمانے لگا

جستجوئے یار میں یہ بھی ہوا
میں رقیبوں کے گھر جانے لگا

رہتا ہوں احمدؔ سدا میں بے قرار
کیا محبت کا صلہ پانے لگا

جس لب پہ اے یار تیرا نام آ گیا
سب کام سے وہ ہٹ کے تیرے کام آ گیا

دشت جنوں میں خارِ مغیلاں کی نوک سے
مجنوں کے پائے جان کو آرام آ گیا

اس کی فنا کا آنے لگا مجھ کو بھی خیال
سورج حیات کا جو سرِ شام آ گیا

جو چودھویں کا چاند تھا شرما کے رہ گیا
پر نور رخ سے تو جو لب بام آ گیا

احمد نگاہ مرشد صادق کا فیض ہے
منزل کی رہ پہ خود ہی میرا گام آ گیا

پھول کو جی بھر نہ دیکھا تھا آخر ہوئی
بلبلوں کا تھا ابھی رونا آخر ہوئی

قافلے والے سبھی بہر سفر تیار تھے
میں ابھی جاگا ہی تھا بانگِ درا آخر ہوئی

سرو مرجھا کر گرے شمشاد بھی رخصت ہو گئے
قمری شیریں سخن کی ہر ادا آخر ہوئی

کیا کہوں قسمت ہی اپنی ایسی ہوئی چارہ گر
پاؤں پھیلے بھی نہ تھے اپنے ردا آخر ہوئی

جانے احمدؔ کیوں ہوا باغِ وفا میں سانحہ
طائرانِ خوش نوا کی ہر نوا آخر ہوئی

دیدۂ عشق کا جو باب بنی
عقل کے سامنے حجاب بنی

اس کے شیریں گلو کی اک اک لہر
آج سارنگی کل رباب بنی

چارہ گر آ مری مدد کو آ
میری حالت بڑی خراب بنی

زندگی بے ثبات جب ٹھہری
سطحِ دریا پہ وہ حباب بنی

میرے دل کی تپش جہاں پہنچی
ہر جگہ ہی وجہ مہتاب بنی

عقل احمدؔ میں جب سے سوز آیا
عشق کی رہنما شتاب بنی

---تمت بالخیر---

Khushk Ankhain



ALI RAZA AHMAD

علی رضا احمدؔ دنیائے اُردو ادب کے معتبر اور معروف سخن گو ہیں اور زیرِ مطالعہ کتاب انسانی جذبات، آلام و مشاہدات کا ایسا خوبصورت مرقع ہے جو انسانی ذہن پر گہرے نقوش ثبت کرتا ہوا آن کی آن میں دل کی سرکش سلطنت میں جلوہ ریز ہو جاتا ہے۔ نہایت آسان پیرائیوں میں کہی گئی چھوٹی چھوٹی منظوم حکایات جہاں اپنے اندر تنوع رکھتی ہیں وہیں حسن و جمال، ہجر و فراق، کیف و جذب، تاب و تمکنت، اضطراب و اضمحلال اور حسن و عشق کے بہترین مکالمے سموئے ہوئے ہیں۔ شعر کے روایتی موضوعات کو روایتی اندازِ بیاں میں پیش کرتے ہوئے جدت کے تقاضے پورے کرنے جوئے شیر لانے کے مترادف عمل ہے جس سے علی رضا احمدؔ گام گام کامیابی اور کامرانی سے گزرے ہیں۔ بہترین تخلیقی فضا کی حامل یہ کتاب قارئین شعر کے ذوق کی یقیناً آبیاری کرے گی۔

ناصرؔ ملک (اُردو سخن پاکستان)

Retial Price
400.00

urdusukhan@hotmail.com
nasirmalik.01@gmail.com
https://twitter.com/urdusukhan
https://www.facebook.com/urdusukhancom-136555273080951/

ISBN
9 789697 430451 >

www.urdusukhan.com ART LAND, Chowk Azam. Distt. Layyah (Punjab) Pakistan